علامہ شبنم کمالی

حیات و خدمات

ڈاکٹر محمد قمر الدین نانپوری

ناشر

صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ

علامہ شبنم کمالی

حیات و خدمات

ڈاکٹر محمد قمر الدین نانپوری

ناشر

صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : علامہ شبنم کمالی: حیات وخدمات
مؤلف : ڈاکٹر محمد قمر الدین نانپوری
اشاعت : ۲۰۱۰ء
صفحات : ۹۶
ناشر : صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ
کمپوزنگ : زیبا پروین
مطبع :
قیمت : ۲۵روپے
تقسیم کار : ادارہ تحقیقات علامہ شبنم کمالی بہار، پٹنہ

ALLAMA SHABNAM KAMALI
HAYAT-O-KHIDMAT

By
Dr. Md. Qamruddin Nanpuri

Published by
Saima Publication, Patna
Rs. : 25

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

(علامہ اقبالؔ)

فہرست

پیش لفظ — ڈاکٹر غضنفر علی

مقدمہ

باب اول: حیات

ولادت/نام ونسب/وجہ تسمیہ ۱۱

تعلیم وتربیت ۱۲

عادات وخصائل ۱۳

ادبی محفلوں میں شرکت ۲۰

درس وتدریس ۲۱

مطالعے کا شوق ۲۵

شادی/اولاد ۲۶

شاعری کا آغاز ۲۷

انعامات واعزازات ۳۰

وفات ۳۰

باب دوم: خدمات

تصانیف نثر ونظم ۳۳

کمال النحو ۳۳

کمال الصرف ۳۴

فقہ اور امام اعظم ۳۵

قیام میلاد شریعت اسلامیہ کی روشنی میں ۳۷

آئینہ جمال مصطفیٰ ۳۸

شمع ولایت ۳۸
صحرا بھی گلزار لگے ۳۹
تنویر خیال ۳۹
نوائے دل ۴۰
نغمات یارسول اللہ ۴۰
آؤ گیت گائیں/گیت گاتے رہو ۴۰
مقالات ومضامین ۴۱
اصناف سخن سے شغف ۴۲
حمد گوئی ۴۴
نعت گوئی ۴۷
غزل گوئی ۵۹
نظم نگاری ۷۱
وطنی نظمیں ۷۱
رومانی نظمیں ۷۵
ملی نظمیں ۷۹
بچوں کے لیے نظمیں ۸۲
کتابیات ۹۳
قطعہ تاریخ وفات (طلحہ رضوی برقؔ) ۹۵
قطعہ تاریخ رحلت (عبدالمنان طرزی) ۹۶

پیش لفظ

''شبنم کمالی : حیات اور خدمات'' نوجوان ادیب ڈاکٹر محمد قمرالدین کی پہلی تصنیف ہے، جس میں ایک باکمال شاعر وادیب، ایک مستند عالم دین اور ایک لائق، مخلص مدرّس علامہ شبنم کمالی کی زندگی کی تفصیلات اور ان کے ادبی وتدریسی کمالات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

شبنم کمالی بہار کے ان ممتاز ادیبوں اور اہم شخصیتوں میں سے ایک تھے، جنھوں نے نہ صرف یہ کہ دین کی خدمت انجام دی بلکہ ادب کی بعض اصناف خصوصاً نعت گوئی کے میدان میں بھی ایک قابل قدر اضافہ کیا۔ ایسی باکمال شخصیتوں کی زندگی اور ان کے کارنامے مشعل راہ ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کی زندگی کی تفصیلات عوام کے سامنے لائی جائیں، ان کے کارناموں پر روشنی ڈالی جائے اور ان کے کمالات کو اُجاگر کیا جائے تاکہ نہ صرف یہ کہ ان کی زندگی عوام کے لیے مشعلِ راہ بن سکے بلکہ وہ ان کی ادبی وفنّی خوبیوں سے سامانِ لطف وانبساط بھی فراہم کرسکیں۔

ڈاکٹر قمرالدین نے بڑی عرق ریزی و جانفشانی سے شبنم کمالی کی زندگی کے کوائف کو جمع کیا ہے۔ انھوں نے مصنف کے ان گوشوں تک بھی رسائی حاصل کی ہے، جو عام طور پر مخفی رہ جاتے ہیں یا جن تک پہنچنے میں کافی دشواری ہوتی ہے۔

ڈاکٹر قمرالدین نے شبنم کمالی کی سوانح مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ادبی خدمات کا بھی تفصیلی جائزہ لیا ہے اور ان کی شاعری کے امتیازات کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

یہ کتاب جہاں ایک طرف شبنم کمالی کے فن اور شخصیت کو عوام تک پہنچائے گی اور شبنم کمالی کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوگی وہیں ادب میں ڈاکٹر قمرالدین کو بھی متعارف کرائے گی۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب پسند کی جائے گی اور اہل ذوق کے درمیان قدر کی نظر سے دیکھی جائے گی اور توقع ہے کہ قمرالدین اپنے اس علمی سفر کو جاری رکھیں گے اور خوب سے خوب تر کی تلاش کو اپنا شیوہ بنائیں گے۔ خدا اس میدان میں انھیں کامیابی عطا کرے۔ آمین

ڈاکٹر غضنفر علی
پرنسپل
اردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سنٹر، لکھنؤ

مقدمہ

ہندوستان ایک عظیم ملک ہے، جہاں شعر و ادب، فکر وفن اور علوم اسلامیہ کی خدمت انجام دینے والی نابغۂ روزگار شخصیات ہمیشہ جنم لیتی رہی ہیں، جن کی جد و جہد، کدو کاوش اور محنت شاقہ کی وجہ سے علم و ادب پروان چڑھا اور آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا۔ ہندوستان ہی کا ایک معروف صوبہ، ''صوبہ بہار'' بھی ہے، جو مدت مدید سے ادبی و شعری تخلیقات، تحقیقات، تفکرات، تصنیفات اور تنقیدات کی وجہ سے دوسرے اہم مراکز علم وفن کے زمرہ میں شامل ہے اور منبع ادب کی حیثیت رکھتا ہے۔

بہار کے چند مشہور اضلاع میں سے ایک سیتامڑھی بھی ہے، جو شعری و ادبی امتیازات کے ساتھ علم دین اور شریعت اسلامیہ کی اشاعت کا منبع و مرکز بنا ہوا ہے، جس کے اردگرد کے قصبات و دیہات علم وفن کے فیضان سے مطلع انوار بن گئے اور شعر و ادب کی خدمات سے روشن ہو گئے، جس کی ایک مردم خیز بستی ''پوکھریرا'' بھی ہے، جو عرصۂ دراز سے ہی مذہبی، علمی، شعری اور ادبی فضا اور ماحول کی وجہ سے گہوارۂ علم و ادب ثابت ہوئی اور رفتہ رفتہ اس قریہ کو اطراف و جوانب میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی، حتی کہ یہاں خصوصاً فارسی اساتذہ سے کسب علم اور علمی تشنگی دور کرنے کے لیے ہر طرف سے طلبا آنے لگے۔

شبنم کمالی صاحب جیسی پُر وقار و فائز المرام شخصیت کی ولادت بھی اسی قریہ میں ہوئی، جس نے دوران تعلیم ہی شعر و ادب کے دروازہ پر ایسی زوردار دستک دی کہ ادبی محفلوں کی زینت بن گئے اور اپنی ذہانت و فطانت اور خدا کی لازوال نعمت عظمیٰ کی وجہ سے شعری اصناف کے مختلف گوشوں پر متنوع موضوعات جدیدہ کے تحت طبع آزمائی سے ادب میں قیمتی اثاثہ چھوڑ گئے اور ہندوستان کے اُفق پر ایسے جگمگائے کہ آپ کی علمی و شعری خدمات کا

اعتراف زمانے نے کیا اور آپ ایک پُر گو اور نہایت خوشگو شاعر نعت وغزل کی حیثیت سے ہندوستان کے چند معروف شعرا کی فہرست میں شمار ہونے لگے۔

شبنم صاحب بہ یک وقت عالم دین، اسلامی اقدار کے امین، اسلاف کے نقوش کے تابعدار، نعتیہ شاعری میں عقیدت وشریعت کے مابین فصل کے علم بردار اور غزلیہ شاعری میں روایات اور اخلاقی و سماجی و اصلاحی اقدار کے پاسدار رہے ہیں۔ آپ نے مایوسی اور اُداسی کے منفی رویوں کے برخلاف اپنی شاعری کے ذریعہ صحت مند انسانی تصورات، تفکرات ومحسوسات کی ترجمانی کی ہے۔ آپ کی نظر معاشرے کے مختلف گوشوں اور شعبوں پر تھی۔ آپ شاداں وفرحاں اور روحانی واخلاقی اور تہذیبی وتمدنی اعتبار سے منزہ سماج کی تعمیر و تشکیل میں دانشوران قوم وملت کی ذمہ داری کا احساس رکھتے تھے، جو آپ کی شاعری ونثری ادب میں صاف دکھائی پڑتی ہے۔

آپ کی مختلف تحریروں اور شعری مجموعوں کے مطالعہ کے دوران یہ احساس ہوا کہ کیوں نہ آپ کی زندگی کے احوال وکوائف اور شعری اصناف پر ایک کتاب ترتیب دی جائے تا کہ آپ کی شعری امتیازات وخصوصیات جو صرف رسائل واخبار کے اوراق میں محفوظ ہو کر رہ گئے ہیں وہ ادب نوازوں کے سامنے آجائیں، چنانچہ میں نے اپنے بعض احباب سے مشورہ کے بعد ایک کتاب ''شبنم کمالی۔ حیات وخدمات'' کے نام سے ترتیب دینے کا عزم کیا اور بحمد اللہ اپنے احباب کی نیک خواہشات اور دعاؤں کی وجہ سے کام کو اختتام تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکا۔

اس کتاب کو میں نے دو ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب ''حیات'' پر مشتمل ہے، جس میں ان کی زندگی کے تمام گوشوں کو اُجاگر کرنے اور خلوت وجلوت کے اعمال و اوراد کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے اور دوسرا باب ''خدمات'' پر ہے، جس میں اُن کی تصانیف نظم ونثر، مقالات ومضامین اور مختلف موضوعات واصناف کے تحت ان کی باقیات پر، میں نے مختصر تبصرہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں مَیں کہاں تک کامیاب ہو سکا ہوں اس کا فیصلہ ناقدین حضرات پر چھوڑتا ہوں۔

آخر میں ان تمام حضرات واحباب کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا، جنھوں نے کتاب کی ترتیب میں وقتاً فوقتاً مفید مشوروں اور ناصحانہ کلمات سے نوازا اور اپنے قیمتی اوقات میں سے میرے لیے وقت نکالا۔ سب سے پہلے ڈاکٹر غضنفر علی صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے نہ صرف کتاب کی ترتیب میں رہنمائی کی بلکہ پیش لفظ لکھ کر اس کتاب کی اہمیت و عظمت کو دوبالا کر دیا۔ علامہ شبنم کمالی کے فرزند ارجمند ڈاکٹر قمر ثاقب کا بھی بے حد ممنون ہوں، جنھوں نے مجھے اہم ماخذ فراہم کرنے میں ہر ممکن مدد کی اور اس طرح میری کئی مشکلات کو حل کر دیا۔ اپنے کرم فرما صفدر امام قادری کا بے حد شکر گذار ہوں، جنھوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود مسودہ کو پڑھ کر قیمتی مشوروں سے نوازا اور کتاب کو زیادہ سے زیادہ سودمند بنانے میں حتی المقدور مدد کی۔ تشکر کے سلسلے میں ڈاکٹر حبیب الرحمٰن، ڈاکٹر طیب علی خاں اور ڈاکٹر ملکہ خورشید سلطانہ کے علاوہ وہ تمام احباب واعزہ واقارب اور شریک حیات شامل ہیں، جنھوں نے گاہے بہ گاہے میری حوصلہ افزائی کی، میرے لیے وقت مہیا کیا اور کتاب کی ترتیب میں پوری معاونت کی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ میری اس خدمت کو قبول فرمائے اور مستقبل میں بھی اس سفرِ علمی کو جاری رکھنے کے اسباب مہیا فرمائے۔ آمین!

محمد قمر الدین نانپوری
اردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سنٹر، لکھنؤ

یکم مئی ۲۰۰۸ء

باب اوّل

حیات

ولادت

پوکھریرا، ضلع سیتا مڑھی بہار کی ایک مردم خیز بستی ہے۔ ایک عرصے سے اپنی دینی، علمی، شعری اور ادبی حیثیت سے دوسرے علاقے سے ممتاز ہے، وہیں مولانا شبنم کمالی نے ۲۲؍جولائی ۱۹۳۸ء کی صبح کو آنکھیں کھولیں۔

نام و نسب

مصطفٰے رضا کمالی۔ والد کی طرف سے نسب نامہ اس طرح ہے: شبنم کمالی ابن مولوی حسن رضا کمالی ابن منشی عبدالحق ابن شمشیر علی ابن غلام حسین۔ والدہ کی طرف سے اس طرح ہے: شبنم کمالی ابن اجرالنسا بنت شیخ معظم علی ابن کمال بخش۔

وجہ تسمیہ

شبنم صاحب کا نام مصطفٰے رضا ان کے دادا منشی عبدالحق نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا مصطفٰے رضا خاں علیہ الرحمہ کے نام پر حصول برکت کے لیے رکھا تھا اور کمالی کی نسبت حضرت مولانا سید ابونصر حمد اللہ کمال الدین سے ہے۔ ایک بار جب حضرت کمال الدین پوکھریرا تشریف لائے تو آپ کے دادا اپنے پوتے کو دعا کی غرض سے حضرت کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت نے بطور شفقت اپنا دست مبارک شبنم صاحب کے سر پر رکھا اور بہت سی دعائیں دیں اور اپنی بیعت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اسی کے بعد سے آپ کے نام کے ساتھ کمالی کا اضافہ ہوگیا اور وہ مصطفٰے رضا کمالی لکھنے لگے، جو بعد میں صرف شبنم کمالی ہوکر رہ گئے۔

تعلیم و تربیت

شبنم کمالی کی ابتدائی تعلیم والد محترم کے زیر نگرانی ہوئی۔ جب آپ نے کچھ ہوش سنبھالا تو عربی تعلیم کے لیے مولوی لطافت حسین باتھوی سے درس لینے لگے۔ پھر باضابطہ مدرسہ کی تعلیم کے بعد چھپرہ کا رخت سفر باندھا، جہاں مدرسہ وارث العلوم میں جو اس زمانہ میں اپنی ایک حیثیت رکھتا تھا، داخل ہوئے۔ اللہ رب العزت نے قوت حافظہ بلا کا عطا کیا تھا چند مہینوں ہی میں سارے اساتذہ کے نور نظر اور مقبول درس ہو گئے۔ خاص طور پر مولانا نعیم الدین اور مولانا شاہ حبیب صاحب کی محبت پدری کے علاوہ دوسرے اساتذہ کی نگاہوں میں بھی ممدوح ہو گئے لیکن یہ سلسلہ ابھی چند مہینے تک ہی جاری رہ سکا تھا کہ ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فساد سے پورا بہار لرز اٹھا۔ آپ کے والد ماجد، اولاد کی محبت میں گھبرا کر چھپرا پہنچ گئے اور اپنے ہمراہ وطن لے آئے، مگر تعلیم کا سلسلہ منقطع نہ ہوا اور مدرسہ نورالہدیٰ میں درسیات کی تکمیل میں جُٹ گئے۔ اس وقت تک آپ کا شعور پختہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا مدرسہ کے اساتذہ سے کافی استفادہ کیا۔ کچھ دنوں کے بعد جب حالات میں استواری اور درستگی آئی تو مظفر پور تشریف لے گئے اور مدرسہ عربیہ برہمپورہ میں عربی درجات میں داخل ہو گئے، جہاں آپ کو مولانا سید الزماں حمدوی کی شاگردی و سرپرستی حاصل ہوئی اور ان سے حتی المقدور استفادہ کیا۔ مولانا آپ پر خصوصی نظر رکھتے تھے اور درسیات کے علاوہ دوسری کتابیں پڑھنے کے مواقع فراہم کرتے تھے، جس کی وجہ سے آپ کے مطالعہ کا شوق بڑھنے لگا۔ اسی اثنا میں یعنی ۱۹۴۹ء میں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ سے فوقانیہ کے امتحان میں شریک ہوئے اور اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئے۔

فوقانیہ کے بعد درجہ مولوی یعنی اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ، دربھنگہ میں داخل ہوئے، جو اس دور میں بہار کا ایک عظیم تعلیمی ادارہ اور جدید و قدیم علوم کا سنگم تھا اور مدرسہ کے اساتذہ بھی اپنی صلاحیت و لیاقت کے لحاظ سے فائق و اعلیٰ تھے۔ یہیں سے انھوں نے ۱۹۵۱ء میں مولوی امتیازی نمبرات سے پاس کیا اور ۱۹۵۳ء میں عالم کا امتحان

پاس کیا۔ اسی سال ضلع اسکول دربھنگہ سے میٹرک کا امتحان بھی پاس کیا۔ عالم کے بعد مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں داخلہ لیا، جہاں آپ فاضل حدیث کے طالب علم تھے۔ ۱۹۵۵ء میں فاضل حدیث اور ۱۹۵۸ء میں فاضل فارسی کی سند سے سرفراز ہوئے۔ مولانا عبدالمتین بہاری سہروردی، شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف رمضان پوری، مولانا عبداللہ ادیب بہاری جیسے جلیل القدر علما آپ کے اساتذہ میں شامل تھے۔

آپ کی ولادت چونکہ ایک علمی اور مذہبی گھرانے میں ہوئی تھی، اس لیے ابتدائے عمر ہی سے والد ماجد کی نقل وحرکت، عمل وفعل اور کردار وگفتار سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی زندگی کا مکمل عکس ان میں نظر آنے لگا، جس کی پابندی شبنم صاحب نے تاحیات کی، ساتھ ہی جب بھی مناسب موقع پاتے، صراط مستقیم کی تلقین کرتے اور دورانِ گفتگو قرآن وحدیث سے شواہد ودلائل کے طور پر استدلال کرتے۔ بلغوا عنّی ولو آیۃ کے مطابق ہمیشہ تبلیغ وارشاد میں مشغول رہنے کا عہد کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی آپ کے معتقدین کی کثیر تعداد ملک وبیرون ملک دعوت رُشد وہدایت میں مشغول ہے۔

عادات و خصائل

شبنم صاحب کی زندگی تقویٰ وطہارت سے بہرہ ور تھی۔ آپ کا مزاج درویشانہ تھا، سادہ زندگی گزارنے کو ہی پسند فرماتے تھے۔ شرعی اصول کے پابند تھے۔ آپ نے کبھی بھی غیر شرعی باتوں کو پسند نہیں کیا۔ ہمیشہ اچھی تعلیم دیتے رہے۔ خود بھی شرعی ضابطوں کی پابندی کرتے تھے۔ سبھی اولاد کو دینی تعلیم سے آراستہ کیا اور گھر کے ماحول کو خالص علمی، مذہبی، شرعی رنگ سے منور کیا۔ غرض کہ آپ کی زندگی بیک وقت تقویٰ وطہارت، عبادت و ریاضت، اخلاص وعقیدت، اخلاق ومروّت، شفقت ومحبت، جود وسخاوت، اتباعِ شریعت، لطافت طبیعت، بزرگانِ دین سے الفت ومحبت، خودداری وامانت، صبر وقناعت، دردِ دل، سوزِ جگر، پاکیزگیٔ زبان اور دیگر اوصاف جمیلہ اور صفات حمیدہ کی پیکر تھی۔ رب کائنات ذوالجلال والاکرام نے آپ کو شان استغنا اور صبر واستقلال کا ایسا مجسمہ بنا دیا تھا کہ کبھی بھی

دنیاوی مال ومتاع کے لیے حرص وطمع نہیں کیا اور کبھی بھی اپنی قد آور شخصیت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ امرا اور رؤسا کے گھروں پر دستک دینے کے بجائے اپنے وقت کے موقر و معظم علمائے کرام اور مشائخ عظام کا شایان شان احترام کرتے، ان کے در پہ حاضری کو سعادت تصور کرتے، ان کے نقش قدم پر چلنے کی حتی الامکان کوشش کرتے۔ شبنم صاحب بڑے ملنسار اور نیک طینت آدمی تھے۔ آپ کی زبان میں بڑی شیرینی وحلاوت تھی۔ بات کرنے کا انداز بڑا پیارا تھا۔ جب کبھی کسی عزیز واقارب، آشنا وناآشنا سے ملاقات ہوتی تو مسکراتے ہوئے ملتے۔ خیریت دریافت کرتے۔ گھر کے افراد کی خیریت بھی معلوم کرتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ اس شخص سے عرصہ سے ملاقات رہی ہے یا وہ شخص آپ کا بہت ہی عزیز ہے۔ آپ کا اخلاق و اطوار ایسا تھا کہ کسی سے بھی ملاقات کے وقت ایسی خوش مزاجی سے پیش آتے کہ ملنے والوں کو غیریت وناآشنائی یا عزیز نہ ہونے کا احساس تک نہ ہوتا۔

آپ مہمان نواز اور خوش مذاق بھی تھے۔ ہر قسم کے طمطراق وتفاخر وتکبر سے ہمیشہ دور رہے۔ آپ کی شخصیت ہر پہلو سے پُرکشش اور دلنواز تھی۔ اپنے اخلاق وعادات، کردار و گفتار، رواداری وسیر چشمی اور علم ومروت کے لحاظ سے وہ اسلاف کے نمونہ تھے۔ نمود ونمائش سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ ملنے جلنے والوں پر اپنی قابلیت، علمیت وافضلیت کا رعب و دبدبہ کبھی ظاہر نہیں ہونے دیتے۔

شبنم صاحب اکثر چھوٹے بچوں کے ساتھ وقت گزارنا پسند کرتے۔ ان سے مزاح فرماتے اور ان سے اپنی اولاد جیسی شفقت سے پیش آتے۔ یہی وجہ تھی کہ جب کبھی اپنے گاؤں تشریف لاتے تو گاؤں کے بچے بلاتفریق مذہب وملت آپ کے اِردگرد جمع ہوجاتے، آپ کے ساتھ کھیلتے، آپ کے ساتھ گھومتے اور آپ بھی ان سے بہت زیادہ محبت فرماتے۔ مدرسہ میں عام طور پر بعد نماز عصر اور کبھی کبھی دوسرے فارغ اوقات میں بچے شبنم صاحب کو گھیر کر بیٹھ جاتے، ان سے نعتیں سنانے کی فرمائش کرتے۔ آپ ان بچوں کی فرمائش کو بہت ہی سادہ لوحی سے قبول فرماتے اور اپنے مترنم آواز میں بچوں کو نعت مصطفٰے

ﷺ یا پھر بچوں سے متعلق گیت سناتے، آپ کی آواز بڑی دلکش و مترنم تھی، جس کی وجہ کر بچے بار بار اصرار کرتے اور آپ بھی ان کے اصرار کو قبول کرتے جاتے اور ان کی خواہش کی تکمیل بھی بڑے پیار و محبت سے کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ مغرب کا وقت آ پہنچتا تو آپ بچوں کے ساتھ مسجد تشریف لے جاتے۔

شبنم صاحب کے اخلاق کے بارے میں ان کے چھوٹے بھائی پروفیسر انجم کمالی صاحب ''رفاقت'' میں ایک مقالہ میں تحریر کرتے ہیں کہ کس طرح سے شبنم صاحب نے اپنے ایک مزدور اور کسان بھائی کو علم دین کے ساتھ دنیاوی علوم حاصل کرنے کے لیے راغب کیا اور اعلیٰ تعلیم یعنی ڈاکٹریٹ کی سند کے حصول کے ذرائع کیسے مہیا کرائے یہاں تک کہ انجم صاحب پروفیسر جیسے عظیم عہدے پر فائز ہوئے۔ ان ہی کی زبانی سنیے:

> ''میں انجم کمالی ان کا اکلوتا بھائی ہوں۔ میں جو کچھ بھی ہوں سب صدقہ ہے بھائی جان کا۔ سر کے بال سے لے کر ناخن پا تک میں ہمیشہ ان کے انعام و اکرام میں ڈوبا ہوا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس دور میں شاید ہی کوئی بھائی میرے بھائی جان کے جیسا ہوگا۔ وہ میرے بھائی ہی نہیں سب کچھ ہیں۔ اسی لیے میں اکثر کہتا ہوں، بھائی جان! آپ کی ضرورت مجھ کو صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں بھی ہوگی۔ میرے بھائی جان نے میرے ساتھ کیا کچھ کیا، زبان و قلم کے بیان سے باہر ہے۔ وہ سب کچھ جس کی مثال اس دورِ پُرفتن میں ناممکن ہے۔

جب میں نے اپنی زندگی کی پانچویں بہار دیکھی تو میرے ابا جان نے اپنے گھر پر ایک محفل میلاد پاک کا انعقاد کیا، جس میں میری بسم اللہ خوانی حضرت مولانا مظہر الحق صاحب سے کرائی۔ میلاد خواں کی حیثیت سے اس میں شرکت فرمانے والے میرے پھوپھا جان مولانا محمد عثمان، مولانا کلیم رفیق صاحب، مولانا عبدالعزیز، مولانا عبدالاحد اور مقرر کی

حیثیت سے حضرت مولانا سید الزماں حمدوی تھے۔ میرے دادا جان منشی عبدالحق صاحب بھی حیات سے تھے، جنھوں نے مجھے بہت پیار کیا اور دعائیں دیں۔

اب میں باضابطہ اپنے والد محترم سے تعلیم حاصل کرنے لگا، جو باتھ اصلی سیتامڑھی کے ایک پرائمری اسکول میں پڑھاتے تھے۔ کچھ دنوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا کہ میں اچانک بیمار پڑ گیا۔ دمہ کی بیماری نے مجھے ایسا دبوچا کہ تقریباً دس برسوں تک میں اس میں مبتلا رہا۔

عجب بات تھی کہ جب میں پڑھنے جاتا تو بیمار پڑ جاتا اور جب پڑھائی چھوڑ دیتا تو اچھا ہو جاتا تھا۔ مجبور ہو کر میں نے تعلیم بند کر دی اور کھیتی باڑی کرنے لگا۔ میری عمر تقریباً پندرہ سال کی ہو چکی تھی۔ میں کھیتی باڑی کا کام پوری طرح سے انجام دے رہا تھا۔ ایک دن میں اپنے کھیت میں دھان روپ رہا تھا کہ اچانک بھائی جان جو کبھی کھیت کھلیان نہیں گئے، میرے سامنے ظاہر ہوئے۔ میں اپنے کام میں مشغول تھا۔ وہ میرے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ میری پیٹھ کھلی ہوئی تھی، جس پر سورج کی گرمی سے پھولے پڑ چکے تھے۔ آپ نے جو میری کھلی پیٹھ دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر کر بولے ''کیا تو پڑھے گا نہیں؟'' میں نے جواب دیا ''میں نے پڑھنے سے کب انکار کیا؟'' ''اچھا، کل میرے ساتھ پڑھنے چلو۔'' کل ہو کر میں اپنے ابا جان کے پاس اجازت کی غرض سے حاضر ہوا کہ میں بھائی جان کے ساتھ پڑھنے جانا چاہتا ہوں تو ابا جان نے اجازت دے دی۔

میں گھر سے روانہ ہوا تو ایک ہاف پینٹ اور ایک ہاف قمیص میرے جسم پر تھا۔ سر کھلا، پاؤں خالی، سر پر ایک چھوٹی سی گٹھری، جس میں خاستہ، ستّو اور چوڑا تھا اور میرے کچھ ضروری کپڑے۔ ایک چرواہے کی شکل میں میں

اپنے گھر سے روانہ ہوا۔ اپنے بھائی کے ساتھ پوپری (جنک پور روڈ) پہنچا، جہاں بھائی جان نے مجھے ایک مسلمان کے ہوٹل میں ٹھہرا دیا اور کچھ دیر کے لیے وہ ہم سے الگ ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد آئے تو ہاتھ میں کپڑا بغیر سلا ہوا تھا۔ مجھے ساتھ لیا اور فوراً ایک کرتا و پائجامہ سلوا کر مجھے پہنا دیا۔ ایک جوتا، ایک کالی ٹوپی پہنا کر میرے بھائی جان نے مجھے آج ہی مولانا بنا دیا۔

ہم دونوں بھائی مدرسہ اسلامیہ مظہر العلوم چھچھوا پہنچے۔ صبح ہوئی، مجھے بھائی جان نے اپنے کلاس میں اپنے سے قریب بٹھایا اور پرائیوٹ طور پر پڑھانا شروع کیا۔ کچھ ہی دنوں میں مدرسہ بورڈ کا وسطانیہ کا امتحان ہونے والا تھا۔ میں نے امتحان دیا اور فرسٹ ڈویژن سے امتحان پاس کر لیا۔ اب باضابطہ میرا داخلہ فوقانیہ میں ہو گیا اور اسی مدرسہ سے فوقانیہ بھی پاس کر گیا۔ اسی طرح مولوی تا فاضل کا امتحان دیا اور کامیاب ہوتا رہا مگر اسی درمیان اسکول و کالج کی تعلیم بھی حاصل کرتا رہا۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے۔ فارسی سے کیا۔ ایم۔ اے۔ کے چند دنوں بعد بکوچی کالج کٹرا سے ایک لفافہ ملا کہ وہاں فارسی ٹیچر کی جگہ خالی ہے۔ بھائی جان نے حکم دیا کہ تم وہاں چلے جاؤ۔ میں حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کالج پہنچا، جہاں مجھے بحال کر لیا گیا لیکن معلوم ہوا کہ روپے کچھ بھی نہیں دیے جائیں گے، جب کالج منظور ہوگا تو پیسہ ملے گا۔ میں گھر واپس آیا اور بھائی جان سے عرض کیا کہ کالج میں پڑھانا ہوگا لیکن پیسہ اس وقت تک نہیں ملے گا، جب تک منظور نہ ہو جائے۔ بھائی جان کا حکم ہوا تم جا کر کام کرو۔ چاہے پیسہ ملے یا نہ ملے، میں تمھیں پیسہ دوں گا اور سمجھوں گا کہ ابھی بھی تم کو پڑھا رہا ہوں۔ پیسہ آج نہیں تو ایک دن ضرور ملے گا۔ میں نے بھائی جان کے حکم کی تعمیل کی

اور بغیر معاوضے کے کالج میں کام کرنا شروع کیا۔ تقریباً تین سالوں تک بغیر معاوضہ کے کام کرتا رہا۔ آخر کار ایک دن آیا کہ بھائی جان کا کہنا صحیح ثابت ہوا اور میرا کالج ۱۹۷۶ء میں منظور ہو گیا۔ اس طرح بھائی جان کی دعا اور دوا کے ذریعہ ایک ذرہ آفتاب بن گیا۔ میں ایک معمولی انسان تھا لیکن بھائی جان کی نظر کرم نے آج مجھے وہ سب کچھ عطا کر دیا، جس کے بارے میں میں سوچ نہیں سکتا تھا۔''

شبنم صاحب کے اخلاق و عادات سے نہ صرف ان کے اہل و عیال متاثر ہوئے بلکہ اپنے وقت کے جید علمائے کرام بھی ان کے گرویدہ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالمبین صاحب ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا شبنم کمالی کا چہرہ ہمیشہ مسکراتا ہی نظر آتا تھا۔ غم و غصے کے آثار آپ کے چہرے پر نہیں دیکھے گئے۔ بڑے ملنسار، با اخلاق اور مہمان نواز اور خوش مزاج شخصیت کے مالک تھے۔ ایسے با اخلاق لوگ کم ملتے ہیں۔ ہر قسم کے طمطراق اور تفاخر و تکبر سے ہمیشہ دور رہے۔''

احمد جاوید صاحب ''رفاقت'' میں شبنم صاحب کی شخصیت کا خاکہ یوں پیش کرتے ہیں:

''وہ ایک آئینہ سا روشن چہرہ، دانشورانہ فکر و تدبر کی غماز مگر بے پناہ کشادہ اور بالکل، بے غبار پیشانی، بارِ حیا سے جھکی پلکیں، آنکھوں میں ذہانت کی چمک، اشک کی نمی، عشق کی سرخی، لبہائے نازک پر ایک ایسی دل نواز مسکراہٹ جو اپنے پورے ماحول پر چھا جائے۔ سر پر سفید ٹوپی، گلے میں سلیقے سے سجا سادہ عربی رومال، سفید کُرتہ، سفید پاجامہ، سرمئی صدری، سادگی کی انتہا مگر ایک انوکھی شان اور ایک عجیب عالمانہ وقار کہ جو دیکھتا ہے کھنچا چلا آتا ہے۔ یہ ہیں علامہ شبنم کمالی''۔

ساتھ ہی ایک اور پیراگراف جو ڈاکٹر وصی واجدی نیپالی نے علامہ کے متعلق تحریر کیا ہے، دیکھئے:

''شبنم کی طرح نرم وشگفتہ مزاج، حسن و جمال کے ساتھ علمی جاہ وجلال کا پیکر، کاروانِ شعروادب کا ایک مہربان وعظیم رہبر، کائنات درس وتدریس کا سلطان جہاں، ادبیات اسلامیہ کی شان، میدان خطابت کا ایک ہنرمند شہسوار، گلشن سخنوری کی بہار، بزم مشاعرہ کی جان و وقار، ادیب کامل، عظمت دین کا حامل، عالم باعمل، مفکر اسلام حضرت علامہ شبنم کمالی کی.....''

ابھی تک تو آپ نثری زبان میں ان کے اوصاف وخصائل کا مطالعہ کررہے تھے۔اب ایک نظم میں بھی ان کی شخصیت کو دیکھیں اور صلاح الدین صاحب نے جو تخیل پیش کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں ؎

تبسم کھیلتا تھا ہر گھڑی لبہائے نازک پر
ہمیشہ مسکرانے کی یہ عادت ، کتنی اچھی تھی
عزیزوں سے ہمیشہ ہنس کے کرتے پیار کی باتیں
بلند اخلاق تھا کتنا ، یہ شفقت کتنی اچھی تھی
وہ محو گفتگو ہوتے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے
اثر سب پر عیاں ہوتا ، خطابت کتنی اچھی تھی
امانی جامعہ کو تو نے پہنچایا بلندی تک
ادارے کے لیے تیری قیادت کتنی اچھی تھی
ہمیشہ نعت لکھنا اور پڑھنا کام تھا اُن کا
یہ پیشہ کتنا اچھا تھا، عبادت کتنی اچھی تھی
کیا تھا جمع اس نے زندگی بھر نعت کی پونجی
گئے دنیا سے بھی لے کر یہ دولت کتنی اچھی تھی
پہنچ کر روضۂ محبوب پر بھی نعت پڑھ آئے
ثنا خوانِ نبیؐ کی دیکھ قسمت کتنی اچھی تھی

مدرس بھی مصنف بھی، وہ شاعر اور مقرر بھی
بتاؤ ذات ان کی بہر ملت کتنی اچھی تھی
مچی ہے دھوم پورے ملک میں طرزِ نگارش کی
قلم سے آپ کے نکلی عبارت کتنی اچھی تھی
حقیقت میں کمالی تھے وہ اسمِ با مسمّٰی تھے
ملی مرشد سے جو نسبت وہ نسبت کتنی اچھی تھی
کوئی ساعت نہ گزری ان کی بے کاری میں اے نادرؔ
برائے قوم و ملت ان کی خدمت کتنی اچھی تھی

ان تمام تحریروں کی روشنی میں شبنم صاحب کی شخصیت جو سامنے اُبھر کر آتی ہے اس کے لیے میں یہی کہوں گا کہ وہ ایک باصفت و بااخلاق آدمی تھے اور اُن کی ذات بہت نرالی اور دوسروں کے کام آنے والی تھی۔

ادبی محفلوں میں شرکت

شبنم صاحب کی ولادت ایسے گھرانے میں ہوئی تھی جہاں ہر وقت نعت نبی کی محفلیں سجا کرتی تھیں، یہی وجہ تھی کہ آپ کی شخصیت پر بھی اس کا گہرا اثر پڑا اور آپ میں یہ جذبہ اُبھرا کہ کیوں نہ میں بھی ان میں شریک ہوا کروں۔ چنانچہ آپ کبھی کبھار چلے جایا کرتے، لیکن جب دربھنگہ پہنچے تو اس میں تسلسل آیا اور باضابطہ ادبی محفلوں میں شریک ہونے لگے اور علقمہ شبلی، نشاط فہمی اور زکی انور کے ادبی دوستوں میں شامل ہو گئے، جن کے مشوروں اور حوصلہ افزائیوں نے آپ کی فطری صلاحیتوں کو نکھارنے میں مدد پہنچائی۔ فاضل کی سند کے لیے جب بہار شریف تشریف لے گئے تو آپ کے ادبی ذوق کو پروان چڑھنے اور شعری صلاحیتوں کو پھلنے پھولنے کا بھرپور ماحول میسر آیا۔ بہار شریف ہی میں ایک جگہ ہے ''پل پر'' جہاں نوجوان شاعروں اور ادیبوں کی ایک انجمن تھی ''نکہت کلب''، جس میں ہر طرح کے شعرا و ادبا شریک ہوا کرتے تھے، جس کی سرپرستی زکی انور کرتے

تھے۔شبنم صاحب اس کے جنرل سکریٹری بنائے گئے۔

بہار شریف میں مدرسہ کے طلبا کی ایک ادبی انجمن تھی، جس کی باضابطہ ہفتہ وار تحریری وتقریری محفلیں ہوا کرتی تھیں۔ساتھ ہی شعروشاعری کی مشاقی بھی۔اس بزم میں آپ مستقل شریک ہوتے تھے۔ چونکہ یہ آپ کے فطری ذوق کے مطابق تھا اس وجہ سے آپ کی شخصیت میں نکھار پیدا ہوااور قرب وجوار کی ادبی نشستوں ومحفلوں میں شرکت ہونے لگی اور کئی محفلوں میں، جوانعامی مقابلہ کے طور پر منعقد کی گئی تھیں، انعام کے بھی حقدار ہوئے۔

> ''ایک مرتبہ گیا کالج میں تقریری مقابلہ ہوا۔ پورے بہار کے نوجوان مقرر جمع ہوئے۔مقابلہ کا موضوع تھا''انجمن اقوام متحدہ امن عالم برقرار رکھنے میں قطعاً ناکام ثابت ہوئی''۔موضوع بڑا بھی تھا اوراہم بھی۔ ہرایک مقرر نے موضوع کی موافقت میں اپنے اپنے خیال کا اظہار کیا لیکن ایک مولوی نما مقرر جب تقریر کے لیے کھڑا ہوا تو موضوع کی مخالفت میں پوری تقریر کر گیا۔مجمع حیران وپریشان کہ اس مولوی کو کیا ہوگیا ہے۔خیر مقابلہ کے اختتام پر صدر مجلس پروفیسر عطاء الرحمٰن عطا کاکوی نے جب انعاموں کا اعلان کیا تو اوّل انعام کے مستحق وہی مولوی یعنی شبنم صاحب قرار دیے گئے جسے لوگ ترچھی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔''

دوسری مثال بہار شریف ہی کے مشہور نالندہ کالج کی ہے۔اس کالج نے ایک دفعہ تحریری مقابلے کا انعقاد کرایا۔اس مقابلے میں بھی اپنے وقت کے مشہور ومعروف ادیب شریک ہوئے، لیکن جب انعام کا اعلان کیا گیا تو اس میں بھی شبنم صاحب سرفہرست تھے۔اس طرح کے واقعات کثیر تعداد میں ہیں جہاں کہ شبنم صاحب شریک ہوئے اور اپنی صلاحیتوں اور ذہنی پرواز کی وجہ سے انعام واکرام سے نوازے گئے۔اس کے بعد دن بہ دن آپ کی صلاحیت اُبھرتی رہی اور ایک وقت آیا کہ پورے ملک کے لیے عزت وعظمت کا سبب بن گئے۔

درس و تدریس

شبنم صاحب نے درس وتدریس کا سلسلہ تو زمانہ طالب علمی میں ہی شروع کر دیا

تھا، لیکن فضیلت کے بعد ذریعہ معاش کے طور پر باضابطہ تدریس کا آغاز مدرسہ اسلامیہ مظہر العلوم چھچھوا سے ہوا۔ یہاں ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۰ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر آپ نے مدرسہ نعیمیہ چھپرا کا رُخ کیا، مگر یہاں کی آب وہوا راس نہ آئی اور طبیعت خراب رہنے کی وجہ کر جلد ہی آرہ تشریف لے گئے، جہاں مدرسہ وحیدیہ میں تین سال تک بحیثیت صدر مدرس، تدریسی فرائض انجام دینے میں مشغول رہے۔ اسی مدرسے سے آپ کی علمی و درسی صلاحیت کا شہرہ پورے بہار میں پھیل گیا۔ بحیثیت خطیب وشاعر جلسوں میں آپ کی شرکت لازمی قرار دی جانے لگی، جس کی وجہ سے ہر طرف سے مدرسہ کے ذمے دار حضرات آپ کی خدمت کے خواہاں نظر آنے لگے۔ اسی دوران ایک گذارش نامہ مدرسہ اسلامیہ امانیہ، لوام، دربھنگہ کے منتظم کی طرف سے آیا اور اس قدر اصرار ہوا کہ آپ اپنے بھائی انجم کمالی صاحب کو مدرسہ کی جانکاری کے لیے لوام، دربھنگہ بھیجنے پر مجبور ہوئے۔ آگے کی روداد خود انجم کمالی صاحب کی زبانی سنیے:

''بھائی جان رمضان کی چھٹی میں گھر تشریف لائے اور شوال کی ۵/تاریخ کو مجھے حکم دیا کہ تم لوام، دربھنگہ جا کر دیکھو کہ وہاں کا مدرسہ کیسا ہے؟ اگر اچھا ہوگا تو میں آرہ چھوڑ کر وہیں رہوں گا۔

میں مدرسہ اسلامیہ امانیہ لوام، دربھنگہ کو دیکھنے کے لیے لوام پہنچا، جہاں..... مولانا عبدالقدوس صاحب سے ملاقات ہوئی جو چھچھوا میں میرے ساتھی تھے اور حافظ عید محمد صاحب سے بھی۔ یہ دونوں اس وقت اسی مدرسہ میں مدرس تھے۔ مدرسہ صرف ایک کچی اینٹ کا کمرہ اور اور ایک کھپڑ پوش پکی اینٹ کا کمرہ تھا۔ مدرسہ کی حالت دیکھنے کے بعد میں نے سوچا کہ بھائی جان کا یہاں رہنا مناسب نہیں ہے، لیکن مولانا عبدالقدوس صاحب اور عید محمد صاحب نے فرمایا کہ انجم بابو مولانا سے کہہ دیجیے گا کہ مدرسہ بہت اچھا ہے اور خوب تعریف کیجیے گا تاکہ وہ کسی طرح یہاں آجائیں۔ میں نے

بھی دیکھا کہ مدرسہ کا مستقبل تابناک ہوسکتا ہے کیوں کہ اس کے پاس زمین کافی ہے اور جائے وقوع بہت بہتر ہے۔ بہرحال واپس آیا اور بھائی جان سے بڑھا چڑھا کر کہہ دیا کہ ابھی تو کوئی خاص بات نہیں ہے، لیکن مستقبل اچھا و روشن ہے۔ میری بات پر بھائی جان نے یقین کیا اور وہ مدرسہ امانیہ لوام میں بحیثیت صدر مدرس تشریف لے گئے۔''

شبنم صاحب اس مدرسہ میں ۱۹۶۲ء سے ۱۹۹۹ء تک صدر مدرس کے عہدہ پر فائز رہے۔ جب آپ مدرسہ اسلامیہ امانیہ گئے تھے اس وقت یہاں کی عمارت خس پوش تھی، لیکن آپ کی اَنتھک کوشش اور مدرسہ کے منتظمین وعوام کے اشتراک وتعاون سے مدرسہ کی عمارت پختہ اینٹوں میں تبدیل ہوگئی اور ہر طرف سے خوبصورت عمارت نظر آنے لگی، یہ مدرسہ آج بھی ایک وسیع رقبہ میں بحسن وخوبی چل رہا ہے۔ تعلیمی اعتبار سے بھی اسے فاضل تک کی ڈگری دینے کا مستحق بنادیا، جس کا علاقہ کے ہر خاص وعام کو اعتراف ہے۔

آپ درس کے بہت پابند تھے۔ زمانہ طالب علمی سے ہی آپ کی عادت وخصلت بن گئی تھی کہ کبھی بھی بغیر کسی شدید ترین ضرورت کے درس سے غیر حاضر نہیں ہوتے۔ یہی احسن طریقہ دوران تدریس بھی قائم ودائم رہا۔ آپ تدریس کو پیشہ نہیں عبادت اور خدمت خلق تصور کرتے تھے۔ اس لیے نہایت پابندی کے ساتھ وقت مقررہ پر درس گاہ میں تشریف لاتے، پوری شان وشوکت اور پُر وقار انداز میں مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوتے اور بہت ہی سلاست وروانی کے ساتھ درس دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ کوئی بھی طالب علم اشد ضرورت کے باوجود آپ کے درس کو چھوڑنا نہیں چاہتا اور اگر کوئی ایسی ضرورت آ بھی گئی تو ان سے رخصت لے کر چلا جاتا اور بعد میں درخواست کر کے اس سبق کو ضرور پڑھ لیتا۔ آپ کے درس کی مقبولیت وشہرت اور درس میں طلبہ کے مستقل حاضر ہونے کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کی آواز بہت سریلی تھی۔ جو بھی سبق ہوتا، چاہے اس میں جتنی پیچیدگی ہوتی اُسے اُتنی آسانی اور سہل انداز میں بیان کردیتے کہ طلبہ کو دوبارہ سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ شبنم

صاحب کے تدریسی پہلو پر بحث کرتے ہوئے مولانا مشرف حسین مصباحی تحریر کرتے ہیں:

''علامہ کمالی صاحب کو درس وتدریس میں مکمل عبور اور راہ علم وفن میں کامل مہارت حاصل تھی۔ افہام وتفہیم کا ملکہ حاصل تھا۔ درس وتدریس کا انداز بڑا سہل اور دلنشیں ہوتا تھا۔ ادق سے ادق مسائل کو عبی سے عبی ذہن وفکر میں اُتار دینا آپ کا کمال تھا۔ حضرت کا مزاج بڑا علمی اور تحقیقی تھا، جو بولتے یقین کے ساتھ بولتے۔ لیت ولعل کی آپ کے یہاں کوئی گنجائش نہیں تھی۔ پورا سبق بڑی سلاست و روانی اور طلاقت لسانی کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ مفاہیم ومعانی کی توضیح، اسرار ورموز کی تشریح، مالہٗ وماعلیہ کی تحقیق، دفع خلل مقدر اور رفع اشکالات کچھ اس انداز سے کرتے کہ طبیعت جھوم اٹھتی، دل سرشار ہو جاتا۔ معقولات ومنقولات کی چھوٹی بڑی سبھی کتابیں آپ کے زیر درس رہتی تھیں اور آپ کمال ذوق وشوق، اخلاص ولگن اور محبت ومہارت کے ساتھ پڑھاتے تھے۔''

اسی طرح خواجہ اکرام آپ کی شان تدریس کے متعلق رقم طراز ہیں:

''علامہ شبنم کمالی درس وتدریس کو پیشہ نہیں بلکہ عبادت سمجھتے تھے، اسی لیے انتہائی پابندی کے ساتھ وقت مقررہ پر کلاس میں آتے۔ حالانکہ آپ اکثر و بیشتر جلسوں اور مشاعروں میں شرکت کے لیے جاتے مگر میں نے بارہا انھیں دیکھا ہے کہ ایسی ہی دعوتوں کو قبول کرتے کہ رات میں چل کر صبح سویرے مدرسے پہنچ جائیں۔ ان کے چاہنے والوں کی کمی نہ تھی۔ ہر علاقے کے لوگ چاہتے تھے کہ کاش میرے یہاں تشریف لاتے مگر اس خیال سے کہ دور کے سفر سے درس وتدریس میں کوتاہی ہوگی، کچھ دور دراز علاقوں میں صرف چھٹیوں کے دنوں میں دعوتیں قبول کرتے۔ اسی طرح انھوں نے کبھی ذاتی مصروفیات کے سبب کلاس کو نہیں چھوڑا اور طالب

علموں کا حال یہ تھا کہ ان کی کلاس کا انتظار کرتے تھے۔ مشکل سے مشکل مسائل تفسیر و فقہ کو اس طرح پڑھاتے کہ ذہن و دل میں نقش ہو جاتا۔ حدیث کا درس دیتے ہوئے عقیدت و محبت سے سرشار ہو کر ایک ایک لفظ کو اس طرح پڑھتے اور سمجھاتے کہ باریکیاں اور اس کے مختلف جہات اور فن کی مختلف تہوں تک طالب علم آسانی سے پہنچ جاتے۔''

شبنم صاحب مدرسہ اسلامیہ امانیہ لوام سے سبک دوشی کے بعد دربھنگہ ہی میں دارالعلوم فدائیہ خانقاہ سمرقندیہ میں شیخ الحدیث جیسے باوقار عہدہ پر فائز ہوئے۔ ہمہ وقت قال اللّٰہ و قال الرسول میں مشغول رہنے لگے۔ آپ کے متعلق خانقاہ سمرقندیہ کے موجودہ سجادہ نشیں شاہ نور علی دامت برکاتہم کا قول ہے کہ ''علامہ شبنم کمالی فنا فی اللہ و فنا فی الرسول تھے''۔ یعنی آپ کا بیشتر وقت درس کے علاوہ عبادت و ریاضت اور ذکر و اذکار میں صرف ہوتا تھا۔ اس جیسا عالم باعمل جس کا ظاہر و باطن دونوں ایک ہو بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ آخر عمر میں طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی تو علاج کی غرض سے پٹنہ میں مقیم ہو گئے اور وہیں اللہ کو پیارے بھی ہوئے۔

مطالعے کا شوق

شبنم صاحب کو مطالعہ کتب کا شوق ابتدا ہی سے تھا۔ آپ کی عادت بن گئی تھی کہ جب کوئی دلچسپ کتاب خاص طور سے اسلامیات و عقاید سے متعلق ہاتھ لگ جاتی تو بغیر مطالعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے اور اس کتاب کی ورق گردانی میں ایسا محو ہوتے کہ کھانے پینے تک کی سدھ بدھ نہ رہتی۔ آپ کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ مطالعہ کے شوقین نہیں بلکہ حریص تھے۔ کسی وقت کوئی اچھی کتاب میسر نہ ہوتی تو جو بھی ہاتھ لگتا، اُسے پڑھے بغیر نہ چھوڑتے۔ مطالعہ کے دوران جب کھانے کا وقت ہوتا تو اہل و عیال کے اصرار پر کچھ دیر کے لیے توقف کر کے کھانا تناول فرما لیتے اور پھر مطالعہ میں غرق ہو جاتے۔ کتاب کا شوق اس طرح جاگزیں ہو گیا تھا کہ جہاں کہیں سفر پر جاتے اور کوئی کتاب پسند آجاتی تو اگر حالات اجازت دیتے تو خرید لیتے ورنہ مطالعہ کی فرمائش پر عاریتہً لے کر مطالعے کے بعد

واپس کر دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جہاں بھی رہے وہاں کی لائبریری کی ترقی وترویج میں معاون ومددگار ثابت ہوئے۔

شادی

شبنم صاحب کی شادی نہایت سادگی اور سنّت رسول ﷺ کے مطابق اپنی ہی بستی میں اپنے پھوپھا جان اور استاذ ومربی مولانا محمد عثمان صاحب کی دخترنیک اختر جسیمہ خاتون سے ہوئی۔ وہ ایک عالم دین کی تربیت یافتہ خاتون ہیں جو بہت حلیم الطبع اور سنجیدہ مزاج ہیں۔شوہر کی اطاعت اور اولاد کی تربیت کو اپنا فرض اوّل سمجھتی رہیں۔ جب تک شبنم صاحب حیات سے رہے اپنے فرض سے کبھی کوتاہی و بے رغبتی ظاہر نہ ہونے دی۔آپ اکثر صوم و صلوٰۃ اور اوراد ووظائف میں مشغول رہتیں۔ابھی ماشاء اللّٰہ حیات سے ہیں گرچہ ستّر کی دہائی کو عبور کر چکی ہیں۔ضعف ونقاہت اور طبیعت کی علالت کے باوجود خدمت دین و خدمت خلق کا دامن تھامے ہوئی ہیں۔اللہ رب العزت موصوفہ کو عمر طویل کے ساتھ صحت دائمی سے نوازے اور جذبۂ دینی کو مستحکم وقائم رکھے۔

اولاد

آپ کثیر الاولاد تھے۔ چھ بیٹے اور دو بیٹیاں آپ کے گھر میں تولد ہوئیں لیکن تین بیٹے اور ایک بیٹی بچپن ہی میں داغِ مفارقت دے گئے۔

تین لڑکے اور ایک لڑکی نے آپ کے سایۂ عاطفت میں تربیت پائی، سبھی صاحبزادے ماشاء اللّٰہ والد ماجد کے نقش قدم اور وصیت کے مطابق خدمت دین میں مشغول ہیں۔ بڑے لڑکے مولانا محمد ظفر صادق صاحب، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں درس وتدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ دوسرے صاحبزادے ڈاکٹر محمد قمر ثاقب صاحب ایک اسکول میں مدرس اور مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، پٹنہ کے اعزازی ممبر بھی ہیں، ساتھ ہی سماجی وسیاسی خدمات میں بھی مشغول رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں موصوف ''شبنم اکیڈمی'' بہار کے جنرل سکریٹری بھی ہیں۔ تیسرے صاحبزادے حافظ علی کمال الدین صاحب شبنم

اکیڈمی کے شعبۂ تعلیمات کے ناظم ہیں۔ ایک صاحبزادی عشرت پروین، جن کی شادی اپنے ماموں زاد بھائی خالد انور جیلانی سے ہوئی تھی جو ثوبان قادری کے لڑکے ہیں۔ وہ بھی صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں لیکن اللہ نے انھیں بھی والد ماجد کے انتقال کے دو ہی سال بعد یعنی ۲۰۰۶ء میں اپنے پاس بلا لیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

شاعری کا آغاز

شبنم صاحب کی شاعری کا آغاز اصلاً دربھنگہ سے ہوا لیکن شعر ونعت پڑھنے کا ذوق اپنے گاؤں سے پیدا ہوا۔ جب اعلیٰ تعلیم کی غرض سے دربھنگہ گئے تو باضابطہ شاعری شروع کر دی اور پھر پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھا۔ اپنی شاعری کے متعلق رقم کرتے ہیں:

> ''۱۹۵۱ء کا پہلا مہینہ یعنی جنوری کو میری شاعری کے آغاز کا مہینہ اور اس سنہ کو آغاز کا سنہ سمجھئے۔ جناب علقمہ شبلی کے ابا جان مولانا عبدالجبار صاحب مدرسہ حمیدیہ میں مدرس تھے۔ وہ اپنے ابا کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ میں نے ایک دن چند شعر کہہ کر شبلی صاحب کو دوستانہ ماحول میں ہمت کے ساتھ سنایا اور دکھایا تو میری ہمت افزائی کی..... ان کے علاوہ بھی میرے چند احباب مجھ سے پہلے ہی شعر گوئی کا شغف رکھتے تھے۔ میں ان کی کہی ہوئی غزلوں اور نظموں کو دیکھتا تھا۔ پھر اسی نہج پر خود بھی کچھ کہنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس طرح میں بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی شعر کہنے لگا اور سنانے لگا۔''

شبنم صاحب کی تحریر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی شاعری دربھنگہ کے قیام کے دوران شروع ہوئی۔ اور یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ آپ کا شاعری میں کوئی استاد نہیں۔ ہاں کبھی کبھی کسی اصلاح یا مشورہ کی ضرورت پڑی تو وہ اپنے دوست علقمہ شبلی سے رجوع کر لیتے تھے۔ کچھ تحریریں ایسی بھی ملتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی آپ کسی مشاعرہ یا جلسہ میں اشعار پڑھتے اور کوئی آپ کے اشعار کی اصلاح کرتا تو بصد خلوص قبول فرماتے اور اس کا شکریہ بھی ادا کرتے۔ ڈاکٹر مظہر امام تحریر کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ مدرسہ میں اس وقت کے وزیر تعمیرات بہار جناب شفیع صاحب بیرسٹر تشریف لائے تو انھوں نے استقبالیہ نظم کہی، جس کے ایک شعر پر مدرسہ کے ناظم اعلیٰ مولانا مقبول احمد خاں نے یوں اصلاح دی۔ شعر تھا۔

کامرانی و خوشی نے چوم کر تیرا قدم
تیرے ہاتھوں میں دیا ہے اب وزارت کا علم

مولانا مقبول صاحب نے کہا ''علم'' کے بجائے ''قلم'' لکھ دو۔ شبنم صاحب نے بصد احترام قبول کرلیا''۔

اسی طرح ایک بار ایک مخصوص مجلس میں دو شعر پڑھے۔

یاد جب آپ کی کبھی آئی　　بخت خفتہ نے لی ہے انگڑائی
تاب جلوہ نہ ہو سکا پل بھر　　بے سبب ہو رہی ہے رسوائی

اسی مجلس میں بیٹھے کسی باشعور آدمی نے کہا کہ شبنم صاحب اگر آپ ''ہو سکا'' کی جگہ ''لا سکا'' مصرع میں ترمیم کر دیں تو سلاست کے ساتھ عمدگی میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ آپ نے قبول کر کے اسی وقت ترمیم کر دیا۔

آہستہ آہستہ آپ جلسوں اور مشاعروں میں شرکت فرمانے لگے..... یہ آزادی اور تقسیم کے بعد کا داغ داغ اُجالا ماحول تھا، جس میں بہار کے ادبی اُفق پر شبنم صاحب اُبھرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ہر جگہ اپنی نعتوں اور غزلوں کے علاوہ احتجاجی نظموں سے آواز کا جادو جگانے لگے..... اکثر آپ مترنم انداز ہی میں نعت پڑھا کرتے تھے۔ آواز میں اللہ تعالیٰ نے ایسی شگفتگی و شیرینی دی تھی کہ ایک بار سننے کے بعد کسی کا بھی دل نہیں بھرتا تھا، دوبارہ کا اصرار ضرور ہوتا۔ دربھنگہ اور آرہ کی مصروفیات کے درمیان تقریباً ۹ سال کا وقفہ ہوتا ہے۔ یعنی آپ کی شاعری کے ۹ سال مکمل ہو چکے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کے کلام میں پختگی بھی پیدا ہو رہی تھی اور موضوعات

میں بھی اضافہ ہورہا تھا۔ شعروشاعری پر قدرت بھی دکھائی دینے لگی تھی۔''

شبنم صاحب کی شاعری کے متعلق پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ تحریر فرماتے ہیں:

''شاعری شاعر کی شخصیت کا آئینہ ہوتی ہے۔ شبنم کمالی کی شاعری بھی ان کی پاکیزہ اور دلکش شخصیت کا بے غبار آئینہ ہے۔ عشق نبوی میں سرشار یہ شیریں بیان مقرر جب تحریر کی طرف متوجہ ہوا تو کیا نثر کیا نظم، دردانۂ تخیل کی حسین لڑیاں جھلملانے لگتی ہیں۔ آپ کی حمدیہ ونعتیہ شاعری اخلاص دینی، صحیح العقیدتی اور عشق رسول ﷺ کا وہ معطر گلدستہ ہے، جس سے انجمنیں مہک اٹھیں۔ آپ کی بزمیہ اور غزلیہ شاعری بھی سادگی وپُرکاری کا قیمتی نمونہ ہے۔ اتنی آسان، صاف و شفاف اور رواں دواں زبان استعمال کرتے ہیں جو ان کا ہی حصہ ہے اور ان کی شناخت بھی۔''

شبنم صاحب کی شاعری پر بالتفصیل بحث شاعری والے باب میں ہوگی۔ اس وقت میں صرف ڈاکٹر ابرار رحمانی کی تحریر نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:

''شبنم کمالی ایک باکمال انسان تھے۔ شاعری ان کی کثیر الابعاد شخصیت کا صرف ایک پہلو ہے۔ یوں تو انھوں نے شاعری کی دوسری اصناف پر بھی طبع آزمائی کی ہے اور خوب کی لیکن وہ بنیادی طور پر غزل گو شاعر تھے اور بوجوہ انھیں صنف نعت میں امتیاز حاصل تھا۔ انھوں نے اردو کی نعتیہ شاعری میں بیش بہا اضافے کیے۔ نعت گوئی میں انھوں نے محض صنفی اور فنّی مہارت اور مشاقی کا ثبوت نہیں دیا ہے بلکہ پورے جذباتی وفور کے ساتھ مکمل طور پر عشق محمد ﷺ میں ڈوب کر نعتیں کہی ہیں۔''

انعامات و اعزازات

شبنم صاحب کی مسلسل کاوشوں اور مساعیٔ جمیلہ نے انھیں اتنا مقبول ومعروف بنادیا کہ درس وتدریس کی بات ہو تو طلبہ کا رجحان آپ کی طرف اور شعروشاعری کا دور ہو تو

عوام وسامعین کی دلچسپی آپ کے اشعار سننے میں نظر آتی ہے، جہاں بھی جاتے لوگوں کا ہجوم آپ کے اِرد گرد جمع ہو جاتا۔اس کے باوجود آپ نگاہ بد سے محفوظ نہ رہ سکے۔طنزیہ وتنقیدی اشارے آپ پر ہوئے مگر کبھی بھی آپ کے اخلاق وکردار میں تبدیلی نہیں آئی آپ سارے اعتراضات کو قبول کرتے، مسکراتے اور پھر بہت سنجیدگی ومتانت سے جواب دیتے۔انھی تمام مشغولیتوں میں آپ کی زندگی کے شب وروز گزر رہے تھے۔ایک وقت آیا کہ حکومت نے آپ کی خدمات کا اعتراف کیا اور ۱۹۹۹ء میں صدر جمہوریہ ایوارڈ سے نوازا۔

اس کے علاوہ مدرسہ منظر الاسلام بریلی شریف نے آپ کی خدمات علمی وادبی کو قبول کرتے ہوئے ۲۰۰۰ء میں ''رئیس الاساتذہ'' جیسے عظیم لقب سے ملقب کیا۔اس کے علاوہ بھی کئی جگہوں سے چھوٹے بڑے کئی انعامات ملے۔

وفات

شبنم صاحب کی پوری زندگی کا خاکہ تیار کیا جائے تو وہ درس وتدریس، نعت و غزل کی مجلسوں میں شرکت، زہد وتقویٰ اور سیادت وشرافت کے اِرد گرد ہی نظر آئے گی۔ ابتدائے عمر سے ہی تعلیماتِ نبوی ﷺ کا ایسا دامن تھاما کہ پھر دوسری طرف پلٹ کر رُخ نہیں کیا اور نہ اپنی کسی اولاد کو دوسری طرف جانے دیا۔آج تمام صاحبزادگان ماشاءاللہ علم دین کی خدمت میں مشغول ہیں۔آپ نے ایک بامقصد وپُر بہار زندگی گزارنے کا جو عزم کیا تھا اس پر مکمل عمل کر کے دنیا کے سامنے نمونہ پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔

مدرسہ امانیہ لوام سے سبک دوشی کے بعد آہستہ آہستہ صحت گرنے لگی تھی۔کبھی بیمار پڑ جاتے اور کبھی ٹھیک ہو جاتے۔یہ سلسلہ چار برسوں تک چلتا رہا۔آخر وقت میں ملنے جلنے والوں سے احتیاط برتنے لگے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ وقت عبادت وذکر واذکار میں گزرے، مگر کبھی کبھی اصرار شدید کی وجہ کر سفر پر چلے جاتے تھے۔چہرے پر کبھی افسردگی و بے اطمینانی نظر نہیں آئی۔وہی استقلال اور ہمت، جس کا ساتھ زندگی بھر رہا، ان کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا۔آخر وقت تک اولاد اور اعزہ واقارب کو دلاسہ دیتے رہے اور ان

کی ہمت بڑھاتے رہے لیکن کسے معلوم تھا کہ علم وعمل کا پیکر، مبلغ اسلام اور شعر وسخن کا بحر بیکراں ہم سے جدا ہونے والا ہے۔ وقت موعود آ ہی گیا۔ ۱۹؍اگست ۲۰۰۴ء کو ۶۶ سال مکمل کر کے ۲؍بجے شب آپ داغِ مفارقت دے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

پٹنہ سے آپ کے جسد خاکی کو آپ کی وصیت اور رشتہ داروں کے اصرار کی وجہ کر اپنے آبائی گاؤں پوکھریرا شریف لے جایا گیا۔ جہاں پُرنم آنکھوں سے اشکبار ایک جم غفیر انتظار میں کھڑا تھا۔ جیسے ہی آپ کی نعش گاؤں پہنچی، دیکھنے والوں کا تانتا بندھ گیا اور ہر طرف سے آہ و بکا کی آواز آنے لگی۔ منتظمین آہستہ آہستہ حالات پر قابو پانے کے بعد میت کی تجہیز و تکفین کی تیاری میں لگ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کو سفید لباس میں ملبوس کر دیا گیا۔ آپ کا چہرہ تو چمکدار و روشن تھا ہی کفن میں چہرے کی نورانیت دوبالا ہو گئی۔ زائرین دیکھ کر یہ محسوس کرنے لگے کہ اب علامہ ہم لوگوں سے ہم کلام ہوں گے اور خیر و خبر دریافت کریں گے لیکن یہ اب ناممکن تھا کیوں کہ ایسے سفر پر کوچ کر چکے تھے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔

آخری دیدار کے بعد آپ کی نعش کو اسی عیدگاہ میں لایا گیا جہاں آپ نے چالیس سال تک متواتر و مسلسل عیدین کی نمازوں کی امامت کی اور امت مسلمہ کو دین پر استقامت اور اشاعت دین کے جذبے کے لیے خطاب کرتے رہے۔ آپ کی نماز جنازہ مشہور عالم دین حضرت مولانا سید شاہ شمس اللہ جان مصباحی، ولی عہد خانقاہ سمرقندیہ، دربھنگہ نے پڑھائی۔ اس کے بعد اس مقام خاص میں جہاں آپ نے وصیت کی تھی، دفن کئے گئے۔ اللہ رب العزت آپ کی قبر کو سکون و راحت کی جگہ بنائے۔ آمین! آپ کی وفات پر آپ کے بھائی انجم کمالی ایک پُرسوز مرثیہ کے ذریعہ خراجِ عقیدت پیش کیا۔

جنت الفردوس میں وہ سو گیا
آج سے انجم اکیلا ہو گیا

شبنم افشاں جس سے تھا اپنا مکاں　　آ گیا صحن و چمن میں اب خزاں
آج رخصت ہو گئے ہیں بھائی جان　　گھر ہمارا بن گیا ماتم کناں

قصر جنت کا مکیں وہ ہو گیا
آج سے انجم اکیلا ہو گیا

وہ مفکر وہ مدبر وہ ادیب شاعر شیریں بیاں ، واعظ ، خطیب
ماہر علم و ادب صوفی عجیب اہل سنت والجماعت کا نقیب
سارا عالم جس کے غم میں کھو گیا
آج سے انجم اکیلا ہو گیا

وارث علم نبی ، شیریں مقال عالم دیں ، صاحب فضل و کمال
نیک صورت نیک سیرت خوش خصال دور تک جس کی نہیں ملتی مثال
جا کے وہ خلد بریں میں سو گیا
آج سے انجم اکیلا ہو گیا

محفل و مسجد و منبر سوگوار سونا سونا ہو گیا ہے اب دیار
محفل شعر و سخن کا تاجدار صحن وگل میں جس سے تھی باغ و بہار
وہ جہاں کا تھا وہیں کا ہو گیا
آج سے انجم اکیلا ہو گیا

وہ مدرس ، تاجدارِ علم و فن جس کے دم سے رونق بزم سخن
وہ اکیلا تھا مگر تھا انجمن الفت سرکار جس کا پیرہن
محو عشق مصطفٰے میں ہو گیا
آج سے انجم اکیلا ہو گیا

❁❁❁

باب دوم

خدمات

تصانیف نثر و نظم

شبنم صاحب کو قرطاس وقلم اور شعر وسخن سے اوائل عمر ہی سے دلچسپی رہی ہے۔ آپ کے مضامین ومقالات ملک کے موقر ادبی رسائل وجرائد میں برابر شائع ہوتے رہے ہیں۔ مذہبی تحریروں میں بھی آپ کا اندازِ نگارش دلوں میں بس جانے والا ہوا کرتا تھا۔ ایک عرصہ تک وہ ''غنچہ'' بجنور سے لے کر ''بانو'' دہلی تک بچوں کے تمام قابل ذکر اردو رسائل میں چھائے رہے۔ اسلامیات وعقاید سے متعلق جب آپ کی کوئی تحریر کسی رسالے میں شائع ہوتی تو اس رسالہ کی اہمیت زیادہ ہو جاتی کیوں کہ قارئین اس رسالہ کو اوّل وقت میں خریدنے کی کوشش کرتے۔

آپ کی تصنیفات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں تو گفتگو کرنے میں آسانی ہوگی اور بات بھی پوری ہو جائے گی۔ (۱) نثری تخلیقات (۲) شعری تخلیقات۔ نثری تخلیقات میں کمال النّحو، کمال الصرف، آئینۂ جمال مصطفٰے، فقہ اور امام اعظم، قیام میلادی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اور شعری تخلیقات میں انوار عقیدت، ریاض عقیدت، مینار عقیدت، ضیائے عقیدت، فردوس عقیدت، صہبائے عقیدت، نوائے دل، تنویر خیال اور صحرا بھی گلزار لگے، آؤ گیت گائیں اور گیت گاتے رہو وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ پہلے نثری تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے۔

کمال النّحو

شبنم صاحب نے اس کتاب کی تصنیف میں بہت وقت صرف کرنے کے بعد نہایت سہل انداز میں نحوی قواعد کو پیش کیا ہے کہ جسے آسانی سے نونہال کا ذہن قبول کر لیتا

ہے اور اسے عربی عبارت کی افہام و تفہیم میں آسانی ہوتی ہے۔ اس کتاب میں عرض مؤلف کے تحت شبنم صاحب لکھتے ہیں:

''اساتذہ کرام درس کے دوران مشق پر زیادہ دھیان دیں۔ مشق سے میری مراد یہ ہے کہ کلموں کی پہچان، عامل و معمول کی تمیز، معرب اور مبنی کی شناخت اچھی طرح ہو۔ کچھ مثالیں میں نے بھی پیش کی ہیں۔ یہی طریقہ مشق کا اختیار کیا جائے۔ اگر اساتذہ کرام نے لڑکوں کی خاطر اس زحمت کو برداشت کرلیا تو درس دینے کا مقصد بخوبی حاصل ہوگا۔ کیوں کہ عربی قواعد کا سمجھنا مثالوں کی زیادہ سے زیادہ مشق پر موقوف ہے۔ اگر مثالیں دینے اور سمجھانے سے غفلت کی گئی تو صرف رَٹ لینا بھی بے سود ہوگا''۔

یہ کتاب مدرسہ امانیہ لوام کے تعاون سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی۔

کمال الصرف

اس کتاب میں شبنم صاحب نے صرفی مسائل کو بڑے سہل الفاظ، آسان زبان اور واضح انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ بقول مولانا ابوالقاسم دربھنگوی:

''مولانا موصوف نے اس کتاب کو جس محنت و دیدہ ریزی سے جدید طریقہ پر ترتیب دیا ہے اور مبتدی طلبہ کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی جو کوشش کی ہے، اس میں وہ کامیاب ہوئے ہیں۔ انھوں نے صَرف کے اہم و ادق اور مشکل مسائل کو سہل طریقہ اور حسن اسلوبی سے ادا کر کے عربی خواں طلبہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور ان کو صَرف کی دوسری مشکل کتابوں کی ورق گردانی سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس لیے کہ میزان، منشعب، فصول اکبری وغیرہ کا اندازِ بیان موجودہ دور کے متبدی نحوی کی سمجھ کے اعتبار سے بلند تر ہے۔ جس کی وجہ سے طلبہ کما حقہ اس سے مستفید نہیں ہو پاتے اور ان کتابوں میں ان کو طویل مدت بھی صَرف کرنی

پڑتی ہے۔ان کتابوں کی جگہ پر ''کمال الصرف'' ان کے لیے بہت زیادہ مفید اور نفع بخش ہوگی۔اس کے اندازِ بیان کے آسان ہونے کی وجہ سے وہ قلیل مدت میں صَرف کے ضروری مسائل سے واقف ہو جائیں گے۔''

اس کتاب سے متعلق خود مصنف کتاب لکھتے ہیں:

''اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر میں نے علم صَرف کی جن کتابوں کو دیکھا ان کو ابتدائی درجوں کے طلبا کے لیے اتنا مفید نہیں پایا، جتنا لازم وضروری تھا۔ اس لیے میں نے تقریباً سولہ کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کر کے ان کو سامنے رکھ کر اُن ہی کتابوں سے خاص اور ضروری باتوں کو صرف چند صفحات میں جمع کر دیا ہے۔ترتیب اور طریقۂ بیان میں کچھ اپنا بھی دخل ضرور ہے۔''

یہ کتاب بھی ابتدائی عربی درجات کے لیے بہت کارآمد ومفید ہے۔ بشرطیکہ مصنف کے بتائے ہوئے طریقوں اور رہنمائی کی روشنی میں اس کا مطالعہ کیا جائے۔ یہ بھی مدرسہ امانیہ لوام کے مالی تعاون سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی۔

فقه اور امام اعظم

فقہ کی اہمیت، تقلید کی ضرورت اور حضرت امام اعظم نعمان بن ثابت کے مقام ومرتبے اور سوانحی خاکوں پر ایک اچھی وعمدہ کتاب ہے۔ کیوں کہ مصنف نے اس کتاب میں فقہ، اصول فقہ اور تقلید کے بعض مباحث کے ساتھ امام اعظم کے حالات وکوائف پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، جن کی وجہ سے یہ کتاب تقلید کی دلیل کے ساتھ امام صاحب کی شخصیت کا ایک مکمل خاکہ دکھائی دیتی ہے۔اپنے مقدمہ میں شبنم صاحب رقم طراز ہیں:

''مدارس اسلامیہ کے طلبہ فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حاصل ضرور کرتے ہیں لیکن اس کی بنیادی باتیں جو ان کے ذہنوں میں آسانی کے ساتھ محفوظ رہ سکیں اور عوام کو فقہ حنفی اور امام اعظم کے بارے میں اچھی طرح سمجھا سکیں۔ میں نے اس کی کمی محسوس کی۔ پہلے تو طلبہ کو خود سمجھنا اور محفوظ رکھنا

ہے۔اس کے بعد عوام کو سمجھانا ہے یا معمولی پڑھے لکھے لوگوں خصوصاً حنفی مسلمانوں کو خود سے پڑھ کر سمجھ لینا اور محفوظ کر لینا ہے۔اس کے لیے زیادہ طویل اور زیادہ تشریح وتوضیح والی کتاب مفید نہیں بلکہ مختصر سی کتاب ہو۔ سیدھے سادے الفاظ اور آسان پیرایہ میں تمام ضروری باتیں بتادی گئی ہوں۔ عام فہم انداز میں دلوں پر نقش کر جانے والی باتیں ہوں۔ دلائل ایسے مضبوط اور مستحکم ہوں کہ ان کی کاٹ کا خیال بھی مخالفین کے ذہنوں میں پیدا نہ ہو سکے۔واقعی اس نوعیت کی کتاب جو مختصر بھی ہو، آسان پیرایہ میں ہو اور جامع بھی ہو، میری نظر سے نہیں گزری تھی۔

میں نے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کے باوجود اللہ عزوجل کا نام لے کر ہمت کیا۔ پھر بہت سی کتابوں کا میں نے غائرانہ مطالعہ کیا، ان سے مستند حوالہ جات کے ساتھ دلائل وشواہد اور اقوال وارشادات جمع کیے۔ پھر ان سب کو کتابی شکل دے دی۔اس کتاب میں باضابطہ تمام حوالے بھی نقل کر دیے ہیں تا کہ یہ کتاب معتبر اور مفید ہو سکے۔ یہ کتاب بہت پہلے لکھی جا چکی تھی۔ میں نے اسے ابتدا تا انتہا کئی مرتبہ پڑھا اور اس لیے پڑھا کہ اس کتاب کی حیثیت تالیف وترتیب کی ہے۔مختلف کتابوں سے اسے جمع کیا گیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں بھی کوئی کمی رہ گئی ہو۔حوالے بالکل درست اور صحیح ہیں یا کچھ خامی تو نہیں اس پر بھی توجہ دی گئی۔ الحمد للہ میں اس سے مطمئن ہو گیا ہوں۔

میں نے امام اعظم کے مختلف زاویوں پر ناقدانہ اور مبصرانہ نگاہ رکھنے والوں کے انداز میں دیانتداری کے ساتھ غور وفکر کیا ہے اور اس پر امکانی حیثیت کے مطابق روشنی ڈالی ہے اور اب اپنے طور پر مطمئن ہوں کہ جو میں نے چاہا تھا وہ میرے سامنے ہے۔''

شبنم صاحب اپنے قول و فعل میں صادق نظر آتے ہیں۔ کیوں کہ جب کوئی قاری ان کی کتاب کا مطالعہ کرے گا۔ امام اعظم سے متعلق کسی شک و شبہ کے متعلق دریافت کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ چیزیں اس میں نظر آئیں گی۔ مصنف نے یہ کتاب عالم، فاضل اشخاص کے لیے نہیں تصنیف کی بلکہ یہ کم پڑھے لکھے افراد کے لیے بھی مفید ہے۔ ایک عبارت جو کتاب کے صفحہ نمبر ۹۷ پر "حیات امام اعظم" کے تحت مذکور ہے، پیش کر رہا ہوں۔ شبنم صاحب لکھتے ہیں:

> ''آج میں آپ کو اس ذات گرامی کا تذکرۂ جمیل سنانے چلا ہوں جو اسلام کا ایک مایۂ ناز فرزند ہے۔ جس نے مذہب اسلام کے جسم میں زندگی کی روح، مسائل میں تفقہ اور تدبر کے ذریعہ پھونکی۔ جس نے مسلمانوں کے لیے نظام شرعی کی ترتیب دی، جو بلا شبہ سرتاج امامت ہے۔ جس کا نام نامی اور اسم گرامی لیتے ہی عظمت و بلندی کا سکہ قلوب انسانی پر جم جاتا ہے۔ وہ ایسا قابل قدر انسان ہے جس کا مسلمانوں پر عموماً اور حزب احناف پر خصوصاً بہت بڑا احسان ہے۔ نام لینے سے پہلے سیکڑوں سیکڑوں نہیں ہزاروں ہزاروں نہیں لاکھوں لاکھوں ہی نہیں بلکہ بے شمار سلام ان کی مقدس روح پر بھیج دوں۔
>
> فسلامُ اللّٰہ علیٰ رُوحہٖ و جسدہٖ و علیٰ اتباعہ اجمعین ابداً ابداً۔
>
> اللہ عزّ و جل ابد الآباد تک ان کی روح پر رحمتوں کی بارش برساتا رہے۔ آمین''!

یہ کتاب رضا اسلامک مشن مدنپورہ، بنارس سے ۲۰۰۲ء میں شبنم اکیڈمی کے تعاون سے شائع ہوئی۔ اس میں مصنف نے امام اعظمؒ کے چار ممتاز شاگردوں کے متعلق بھی بہت کچھ تحریر میں لانے کی کوشش کی ہے، جس سے کتاب کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

قیامِ میلادی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں

یہ کتاب شبنم صاحب نے ''قیام میلاد، شریعت کی نظر میں'' نامی کتاب کے

جواب میں تصنیف کی ہے۔ یہ بات ایک عرصہ سے گفتگو کا موضوع بنی ہوئی ہے کہ میلاد شریف میں قیام کیا جانا چاہیے یا نہیں؟ اہل دیوبند اس کے خلاف جاتے ہیں اور مسلک اہل سنت و جماعت کے علما اس کو احسن قرار دیتے ہیں۔ تفصیلوں سے قطع نظر، صرف اس کتاب کی افادیت پر ہی بات کو ختم کروں گا کہ جس بات کی تائید میں یہ کتاب تصنیف کی گئی ہے، بہت عمدہ و اہم ہے۔ دوسرے مسلک والوں کو اس طرح دلائل کی روشنی میں خاموش کیا جاسکتا ہے۔ بس شبنم صاحب کے انداز تحریر کو دلجمعی کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ ''بزم کمال'' سے یہ کتاب ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

آئینۂ جمالِ مصطفیٰ

یہ شبنم صاحب کی فخر الرسل، مولائے کل، ہادیٔ عالم خاتم الانبیا محمد عربی ﷺ کی سیرت مبارکہ پر اہم تصنیف ہے۔ اس کتاب میں شبنم صاحب نے اپنے عقیدہ کا مکمل اظہار کیا ہے۔ نیز حضور ﷺ سے محبت و عقیدت کا ثبوت بھی پیش کیا ہے۔ اسے پڑھتے ہوئے، قاری کو یقیناً کچھ ایسے نادر و نایاب لعل و گہر ہاتھ لگیں گے جو دوسری سیرت کی کتاب میں نہیں، شبنم صاحب نے سبھوں سے الگ ہو کر بہت صاف و سادہ زبان میں سیرت رسول کو پیش کیا ہے جو ایک قابل قدر کارنامہ ہے۔

شمع ولایت

یہ حضرت شاہ علاء الدین علی احمد صابر کی مختصر سوانح ہے، جسے شبنم صاحب نے کچھ لوگوں کی فرمائش پر تحریر کیا تھا۔ وہ اس کتاب کے متعلق عرض حال میں رقم کرتے ہیں:

> ''الحاج محترم صابر بابو کے انتقال کے بعد کچھ لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں حضرت کے واقعات و حالات کو ایک کتاب کی شکل دے دوں۔ خاص کر حضرت کے بارے میں جن لوگوں نے قبل وفات اور بعد وفات میرا بیان سنا تھا ان کی خواہش زور اور تاکید کے ساتھ ہوئی کہ میں نے جو بیانات دیے ہیں ان کو ہی لکھ دوں، خود ایک کتاب ہو جائے گی۔ پھر عزیز

گرامی قدر جناب مولانا حافظ وقاری طفیل احمد خاں صاحب نے پہلے بھی کہا تھا اور ادھر ماہ شعبان میں جب وہ دارالعلوم فدائیہ خانقاہ سمرقندیہ آئے تو مجھ سے کہا کہ جلد سے جلد لکھ دیجیے۔ کتاب جلد ہی چھپ جائے گی۔ ان کے اصرار پر میں نے حضرت کے واقعات وحالات کی ترتیب شروع کردی اور ایک ماہ میں بحمداللہ تیار بھی ہوگئی اور طفیل خاں کی کدوکاوش سے جلد چھپ کر منظر عام پر آ گئی۔''

یہ شبنم صاحب کی سوانح پر بہت کامیاب وعمدہ تصنیف اور قارئین کے لیے نایاب تحفہ ہے۔ نثری تصانیف کے بعد اب شعری تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے:

صحرا بھی گلزار لگے

یہ شبنم صاحب کے نعتوں وغزلوں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کے مرتب نے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب کو ''نقوش کہن'' کے نام سے موسوم کیا ہے جو نعتیہ کلام پر مشتمل ہے جب کہ دوسرے باب میں ''کشت غزل'' کے عنوان کے تحت تازہ اور غیر مطبوعہ غزلیں پیش کی گئی ہیں۔ آخر میں ''ارتعاش'' کے تحت مشاہیر ادب کے تاثرات پیش کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب ان کی وفات کے بعد ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں مرتب احمد جاوید صاحب نے شبنم صاحب کی حیات وشاعری کا جو مختصر خاکہ پیش کیا ہے وہ بہت ہی اہم اور پڑھنے کے لائق ہے۔

مینار عقیدت، ضیائے عقیدت، انوارِ عقیدت، فردوس عقیدت اور صہبائے عقیدت۔ یہ تمام کتابیں شبنم صاحب کے نعتیہ مجموعے ہیں۔ ان مجموعوں کے مطالعے کے بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں ان کی والہانہ عقیدت ومحبت کا پورا ثبوت ملتا ہے۔

تنویر خیال

اس مجموعہ میں غزل کے ساتھ آخر میں کچھ نظمیں بھی شامل ہیں۔ کتاب کے شروع میں پروفیسر فاروق احمد صدیقی اور پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ نے شبنم صاحب کی شاعری کے

متعلق جو آرا تحریر ہیں وہ اس کی قدر و عظمت کو دوبالا کر دیتی ہیں۔ اس کے مرتب بھی پروفیسر فاروق ہی ہیں جو شبنم صاحب کے شاگرد رشید بھی ہیں۔ یہ ۱۹۹۴ء میں طباعت سے آراستہ ہوئی۔

نوائے دل

یہ خالص ساٹھ غزلوں کا مجموعہ ہے جو بہار اردو اکیڈمی کے مالی تعاون سے شائع ہوا ہے۔ اس کے مقدمہ میں شبنم صاحب لکھتے ہیں:

> ''مجھے یہ خیال ہوا کہ نمونہ کے طور پر چند غزلیں کتابی صورت میں پیش کردوں۔ اس کے لیے بھی میں نے آسانی کی خاطر یہی پسند کیا کہ سال رواں یعنی ۱۹۸۰ء میں کہی گئی ساٹھ غزلیں ہی اہل نظر صاحب قدر کی آنکھوں سے گزار دوں''۔

نغماتِ یا رسول اللّٰہ

اس میں شبنم صاحب نے اپنی اور دوسرے شعرا کی نعتیں ترتیب دی ہیں۔ عرض مرتب کے تحت شبنم صاحب رقم طراز ہیں کہ:

> ''جناب اعجاز حسین نے ایک خط کے ذریعہ مجھ سے فرمائش کی کہ میں اپنے اور دوسرے شعرائے کرام کے نعتیہ کلام سے کچھ ایسی نعتیں ترتیب دے کر بھیج دوں جس کی ردیف ہر حال میں ''یا رسول اللہ'' ﷺ ہو۔ میں نے ان کی اس نیک فرمائش کی تعمیل کو سعادتِ دارین سمجھتے ہوئے شعرائے کرام سے رابطہ قائم کیا اور جیسے جیسے کلام ملتا گیا اسی حساب سے ترتیب دیتا گیا۔''

یہ کتاب شبنم صاحب کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ یہ بہت بڑا کام اور عشق رسول کی عمدہ مثال ہے۔

آؤ گیت گائیں / گیت گاتے رہو

یہ دونوں مجموعے بچوں کے لیے ہیں۔ آپ کی یہ خصلت تھی کہ جہاں کہیں بھی رہے بچوں سے پیار کرتے، ان کے ساتھ کھیلتے، گھومتے اور پھر ان کو چھوٹی چھوٹی نظمیں بھی سناتے۔ ان ہی تمام نظموں اور گیتوں کو ڈاکٹر قمر ثاقب نے ترتیب دے کر منظر عام پر لایا ہے۔

مقالات و مضامین

ان دونوں خدمات کے جائزہ کے بعد تصنیف کا ہی ایک حصہ مقالات ومضامین کا بھی ہے۔ان مقالات ومضامین میں کہیں موضوع کی عظمت کے اعتبار سے خالص دینی و عالمانہ زبان استعمال کی گئی ہے تو کہیں کتاب وسنت سے دلائل وشواہد پیش کیے گئے ہیں۔ کہیں منطقیانہ وفلسفیانہ انداز سے بحث کی گئی ہے تو کہیں عقل وفکر کے اعتبار سے گفتگو کی ہے۔کہیں موضوع کی مناسبت سے زبان و بیان کی سادگی سے کام لیا گیا ہے تو کہیں دلکش پیرایہ میں عبارت کومزین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔بطور نمونہ یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''آپ اسے مزید وضاحت کے ساتھ یوں سمجھئے کہ قرآن حکیم یقیناً آب حیات و پیام روح افزا ہے لیکن اس آب حیات اور روح افزا پیغام سے اگر مردہ دلوں کو زندگی عطا ہوئی،کشت قلوب میں تروتازگی پیدا ہوئی، قلوب انسانی کی بے جان اور خشک زمینوں میں شادابی وشگفتگی کی روح پرور بہاریں آگئیں تو وہ یقیناً اسی آسمانِ رحمت کی موسلا دھار بارش کا فیضان تھا جو قرآن کریم یعنی پیام روح افزا کے نزول کی منزل آخری ہے۔وہ آسمان رحمت اور آسمانِ کرم کون ہیں؟ بے شک وشبہ وہ آسمان رحمت، نبی مکرم، رحمت عالم،روح مجسم محمد رسول اللہ ﷺ ہیں،جن کی ذات گرامی ارواح عالم کے لیے سراپا ناز اور نبوت ورسالت کے لیے باعث صد افتخار ہے۔''

(ماہنامہ ''المیزان''امام احمد رضا نمبر،ص ۲۲۵)

ایک اور اقتباس جو حضور مجاہد ملت کے بارے میں ہے،ملاحظہ ہو:

''میں نے حضور مجاہد ملت کی ملاقات سے پہلے اخباروں اور رسالوں میں ان کے نام کے ساتھ اکثر وبیشتر رئیس اعظم اُڑیسہ لکھا ہوا دیکھا تھا،اس لیے میرے تصور میں رئیس اعظم کا خاکہ وہی تھا جو عام طور سے زمینداروں، حاکموں، دولت مندوں اور اعلیٰ افسروں کا ہوا کرتا ہے۔زرق برق قیمتی

لباس، شاہانہ طمطراق، آگے بڑھو، پیچھے ہٹو، کہنے والے خدام جس کے لیے دس بیس قدم پیدل چلنا بھی دشوار ہو، جس کے لیے قیام وطعام، خواب گاہ اور فرش کے لیے لمحہ بہ لمحہ تکلف آمیزیاں ہوں جو اپنے ہاتھ سے کوئی معمولی کام کرنا بھی اپنی شان کی توہین سمجھتا ہو، لیکن ملاقات اور شرف زیارت کے بعد میں انتہائی حیرت واستعجاب کے عالم میں کچھ دیر تک ساکت وصامت رہ گیا۔ سادہ معمولی لباس، سفید ٹوپی، سفید کرتہ، سفید تہہ بند، سفید رومال اور پاؤں میں معمولی جوتے۔ البتہ صورت باوقار، چہرہ رعب دار، جہاں تکلف نام کی کوئی چیز نہیں۔'' (نوائے حبیب، کلکتہ مجاہد ملت نمبر، ص ۳۴)

شبنم صاحب کے مقالات کا ایک موضوعاتی اشاریہ ڈاکٹر حبیب الرحمٰن علیگ نے تیار کیا ہے۔ اس اشاریہ کے مطالعہ کے بعد یقیناً پڑھنے والوں کے دلوں میں شبنم صاحب کی علمی و ادبی اہمیت وعظمت اور بڑھ جائے گی۔ کیوں کہ آپ نے عموماً کوئی گوشۂ ایسا نہیں چھوڑا جس پر مقالات نہ لکھے ہوں اور مقبولیت نہ حاصل کی ہو۔ آپ نے تدریس کے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دینے کے ساتھ تصنیف وتالیف اور شعر وشاعری کی دنیا میں بھی اپنا سکہ جمایا۔ اسلاف کے نقش قدم پر گامزن ہوکر آئندہ نسلوں کو ایک نشانِ راہ دے گئے۔

اصناف سخن سے شغف

شاعری وہ کلام ہے، جس میں انسانی زندگی متوازن، مناسب، موزوں اور خوش آہنگ وموثر لفظی پیرایۂ بیان میں پیش ہو اور جسے سن کر انسان کے جذبات متحرک ہوا ٹھیں اور دل ودماغ میں کیف ونشاط کی لہر دوڑ جائے۔ بقول مسعود حسین رضوی ادیب:

''شاعری بے حس قوتوں کو چونکاتی ہے، سوتے احساس کو جگاتی ہے، مردہ جذبات کو جلاتی ہے، دلوں کو گرماتی ہے، حوصلوں کو بڑھاتی ہے، مصیبت میں تسکین دیتی ہے، مشکل میں استقلال سکھاتی ہے، بگڑے ہوئے اخلاق کو سنوارتی ہے اور گری ہوئی قوموں کو اُبھارتی ہے۔'' اور بقول شبلی

نعمانی: ''دنیا کا کاروبار جس طرح چل رہا ہے اس کا اصل فلسفہ خودغرضی اور اصول معاوضہ ہے اور جب اس کو زیادہ وسعت دی جائے تو ہمارے تمام اعمال اور افعال، ایک سلسلہ داد وستد بن جاتے ہیں۔ بچوں کی محبت اور پرداخت اس لیے ہے کہ وہ آئندہ چل کر ہمارے کام آئیں گے۔ باپ کی اطاعت اس کے پچھلے احسانات کا معاوضہ ہے۔ مہمان نوازی اس اصول پر ہے کہ ہم کو بھی کبھی مہمان ہونے کی ضرورت پیش آئے گی۔ قومی کام اس لیے کیے جاتے ہیں کہ واسطہ در واسطہ خود کرنے والے کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اس فلسفہ سے بے شبہ عمل کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ تجارت کو ترقی ہوتی ہے۔ کاروبار وسیع ہو جاتے ہیں۔ دولت کی بہتات ہو جاتی ہے لیکن تمام جذبات مر جاتے ہیں اور تمام دنیا ایک بے حس کل بن جاتی ہے جو خودغرضی کی قوت سے چل رہی ہے۔ اس حالت میں یہ شعر شریفانہ جذبات کو تازہ کرتا ہے۔ وہ محسوسات کے دائرے سے نکال کر ہم کو ایک اور وسیع و دلفریب عالم میں لے جاتا ہے۔ وہ ہم کو بے لاگ اور بے غرض دوستی کی تعلیم کرتا ہے۔ وہ ہم کو سچی خوشی اور سچی مسرت دلاتا ہے۔ جب کہ کاروبار کے ہجوم، مقابلے کی کشمکش، معاملات کی الجھن، تردد ات کی دارو گیر سے دل بالکل ہمت ہار دیتا ہے تو شعر مجسم سکون اور اطمینان بن کر ہمارے سامنے آتا ہے۔'' (بحوالہ تدریس شعر و شاعری، ص ۶۷-۱۶۵)

شاعری کا شوق قدرت کا ایک عطیہ ہے، جو کسی کسی کو مرحمت ہوتا ہے۔ انسانی جذبات و خیالات سے اس کا خاص رشتہ ہے۔ کسی فطری شاعر پر جب یہ جذبہ طاری ہوتا ہے تو وہ اپنے تاثرات کو الفاظ کے حسین پیکر میں سمونے کی کوشش کرتا ہے، جسے سن کر سامع تڑپ اُٹھتا ہے، اس کے جذبات اُبھرنے لگتے ہیں۔ اسی کو سچی شاعری اور دل و دماغ کا عکس تصور کہتے ہیں۔

اردو کے عظیم و جلیل و شعرا کی فہرست میں ایک معتبر و اہم نام شبنم کمالی کا بھی ہے،

شبنم [illegible] یہ بات اُبھر کر پورے ملک میں اپنی شناخت بنائی اور اپنی شاعری سے [illegible] نام پیدا کیا۔ اپنی شاعری کی ابتدا کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

> "اس زمانے میں علامہ شبلی، ابو نصر غزالی اور نشتر طاہی وغیرہ کے چرچے تھے۔ یہ تمام حضرات رسائل و اخبارات میں چھپنے لگے تھے۔ اس سے مجھے بھی تحریک ملی اور شعر کہنا شروع کیا۔ علامہ شبلی چونکہ عمر میں مجھ سے بڑے تھے اس لیے پہلی جو کوشش کی، ان کو ہی ہمت کر کے دکھایا۔ انھوں نے ہمت افزائی اور آئندہ بھی شعر گوئی کی طرف توجہ دینے کی ہدایت کی۔ یہ ۱۹۵۱ء کا زمانہ تھا۔ اس لیے میں علامہ شبلی کے ادبی احسانات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔"
> (خود نوشت سوانح: خوشبو لفظوں کی، ص ۲۶)

اس ہمت افزائی کے بعد شبنم صاحب نے پھر پیچھے نہیں دیکھا، آپ نے ترقی پسندی کے دور میں آنکھیں کھولیں، جدیدیت کا عروج و زوال دیکھا۔ کتنے ہی شعرا و ادبا نے اپنا قبلہ بدلا لیکن شبنم صاحب کو اس کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ آج جس رجحان و رویہ کو مابعد جدیدیت کا نام دیا جا رہا ہے، اس کے لیے شاعر و ادیب علم بلند کر رہے ہیں۔ شبنم صاحب کی شاعری میں وہ عناصر ابتدا ہی سے نمایاں تھے۔ اس لیے وہ ترقی پسندوں میں ترقی پسند رہے اور جدیدیوں میں جدید۔ کسی دور میں ان کی آواز اجنبی یا فرسودہ نہیں ہوئی اور وہ کبھی اپنی راہ سے ہٹے بھی نہیں۔ شبنم صاحب نے شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ ہر ایک میں کامیاب بھی ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری کا ذخیرہ بڑا ہے اور اس میں مختلف رنگ کے پھول مہکتے دکھائی دیتے ہیں، کئی بار ایسا حسین موقع بھی نصیب ہوا کہ کل ہند مشاعرہ کی صدارت کے عہدہ پر بھی رونق افروز ہوئے۔ ان کی شاعری پر سیر حاصل گفتگو کے لیے صنف کی تقسیم ضروری ہے۔ مثلاً: حمد گوئی، نعت گوئی، غزل گوئی، نظم گوئی، بچوں کے لیے نظم و گیت۔

حمد گوئی

حمد ایسی نظم کو کہا جاتا ہے جس میں خدائے تعالیٰ کی تعریف و توصیف بیان کی جاتی

ہے۔حمد میں شاعر خدا کی صفات بیان کرنے کے علاوہ اس سے اپنی بخشش اور کامیابی کے لیے بھی دعا مانگتا ہے۔حمد کی کوئی مخصوص ہیئت نہیں ہوتی یہ کسی بھی شکل میں لکھی جا سکتی ہے۔

شبنم صاحب نے بھی خدا کی حمد و توصیف کے علاوہ اپنی بخشش کے لیے بہت سے حمدیہ اشعار کہے ہیں۔کیوں کہ کوئی بھی انسان اللہ کی رحمت و مغفرت کے بغیر نہ دنیا میں سکون سے رہ سکتا ہے اور نہ آخرت میں کامیاب ہوگا۔شبنم صاحب کے حمدیہ کلام میں سے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ہے ارفع و اعلیٰ ذات تری ، سبحان اللہ سبحان اللہ
معبود مرے اللہ غنی ، سبحان اللہ سبحان اللہ
تعریف تری ہو مجھ سے بیاں ، لاؤں میں کہاں سے ایسی زباں
ہے وردِ زباں دن رات یہی ، سبحان اللہ سبحان اللہ
قہار ہے تو ، جبار ہے تو ، غفار ہے تو ، ستار ہے تو
ہر ایک ادا ہے تیری بھلی ، سبحان اللہ سبحان اللہ
یہ شمس و قمر ، یہ ارض و فلک ، یہ جن و بشر ، یہ حور و ملک
آیات ہیں تیری قدرت کی ، سبحان اللہ سبحان اللہ
شعلوں کی لپک ، بجلی کی چمک ، پھولوں کی مہک ، تاروں کی دمک
ظاہر ہے سبھی سے شان تری ، سبحان اللہ سبحان اللہ
تو کون و مکاں کا خالق ہے ، تو سارے جہاں کا رازق ہے
ہے جنّ و بشر کا قول یہی ، سبحان اللہ سبحان اللہ
ہر ذرّہ میں تیرا نور نہاں ، ہر پتّا سے تیرا حسن عیاں
ہر شاخ پہ یہ کہتی ہے کلی ، سبحان اللہ سبحان اللہ

دوسری حمد ملاحظہ ہو:

خالق کون و مکاں معبود رب العالمیں
بس ذات اقدس ہے تری اور دوسرا کوئی نہیں

پاس تو اتنا ہے کہ بندوں کی شہ رگ سے قریں
تاب جلوہ سے مگر عاجز ہے چشم دور بیں
تیری قدرت سے زباں کو تاب گویائی ملی
تیرے آگے ہی جھکی ہے سارے عالم کی جبیں
تیری صنعت کے نمونے ہیں نظر کے سامنے
یہ نجوم و کہکشاں شمس و قمر چرخِ بریں
بیل بوٹے، پھول پھل، دریا، سمندر، آبجو
تیری لاکھوں نعمتوں سے ہے مزیّن یہ زمیں
دولت علم و عمل ہو یا متاعِ کائنات
سب ہے تیری ہی عطا اے خالقِ دنیا و دیں
خاتمہ بالخیر کی دولت ہو شبنم کو عطا
فضل سے ہو تیرے یارب وہ بھی جنت کا مکیں

درج بالا دونوں حمد میں شاعر نے اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ دنیا میں ہو یا آخرت میں، زمین پر ہو یا آسمان میں ہر جگہ اللہ ہی کی قدرت کام کرتی ہے۔ اللہ ہی حکم کے تابع ساری چیزیں ہیں آگے سارے عالم کی جبیں جھکتی ہے اور جھکتی رہے گی۔ پھر یہ اشعار بھی ملاحظہ کیجئے ؎

لائق حمد و ثنا اے رب فقط ہے تیری ذات
ہے بقا تیرے لیے فانی ہے ساری کائنات
ہے جہاں مرغ تخیل کی رسائی بھی محال
ارفع و اعلیٰ ہیں اس سے بھی کہیں تیری صفات
تیرے قہر و جبر کا عنوان ہے نارِ جحیم
تیرے لطف و فضل کی منزل ہے فردوسِ حیات

منحصر کچھ چاند تارے اور سورج میں نہیں
تیری صنعت کا نمونہ ہے متاعِ کائنات
تیری شانِ بے نیازی سے ہے اُمید کرم
تو اگر چاہے تو حل ہو جائے ساری مشکلات
طالب رحمت ہے مولا حشر میں شبنم ترا
خاتمہ بالخیر ہو مل جائے دوزخ سے نجات

اللہ کی تعریف کروں اپنی زباں سے
وہ تابِ سخن، زورِ بیاں، لاؤں کہاں سے

اے رب تو عطا کر مجھے وہ حسن تکلم — شایاں ہو ترے، نکلے جو تعریف زباں سے
تعریف تری یہ ہے کہ موجود ہے ہر جا — بے شبہ منزّہ ہے زماں اور مکاں سے
دن رات فضاؤں میں ہے تکبیر مسلسل — ظاہر ہے تری شان مؤذّن کی اذاں سے
ہے میری دعا فضل و عنایت ہو الٰہی — واقف ہے یقیناً تو مرے حال نہاں سے
نادم ہوں میں خود اپنے گناہوں پہ ہمیشہ — آزاد مجھے کر دے تو اس بارِ گراں سے

محبوب کے صدقہ میں عطا عفو و کرم کر
جب جسم ہو شبنم کا جدا روح رواں سے

ان حمدیہ اشعار میں شاعر نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تعریف وتقدیس کے ساتھ اپنی بے بضاعتی اور گناہوں پر ندامت کا اظہار کیا ہے۔ان اشعار کے علاوہ شبنم صاحب کے یہاں حمدیہ شاعری کا وافر ذخیرہ ملتا ہے۔

نعت گوئی

ایسی نظم جس میں حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی سیرت طیبہ یا فضائل واوصاف بیان کیے جائیں، نعت کہلاتی ہیں۔ نعت میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک کو بیان

کرنے کے ساتھ شاعر آپ ﷺ سے اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار بھی کرتا ہے۔

نعت کا ایک متعین سانچہ ہوتا ہے۔ اسی سانچے میں نعت کو ڈھالا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ آداب نعت کو نبھانا آسان کام نہیں۔ ایک غیر متوازن لفظ کبھی کبھی اس کے حسن کو ہی مجروح نہیں کرتا بلکہ بعض اوقات افراط وتفریط سے عاقبت بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اسی لیے اس میدان میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوتا ہے۔

نعت گوئی آسان نہیں، اس کے لئے مقام نبوت کے سچے عرفان، شعور محبت اور بڑی ہوشمندی کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی لازم ہے کہ شاعر کا دل عشق نبی ﷺ سے معمور ہو۔ وہ قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ کا صحیح عالم ہو۔ تاریخ اسلام پر اس کی گہری نظر ہو، وہ واقعات صحابہ کا جانکار ہو، حساس دل اور نازک طبیعت کا مالک ہو، اشاعت اسلام کا علم بردار ہو اور زبان و بیان پر پوری دستگاہ رکھتا ہو تب نعتیہ شاعری صحیح معنوں میں لباس وجود پہن کر جلوہ گر ہوگی، خود شاعر مسرت وانبساط اور فرحت وشادمانی کی لذتوں سے ہم کنار ہوگا اور اس کا قاری وسامع بھی عشق نبی ﷺ میں غوطہ زن ہوگا۔ شبنم صاحب کی نعتیہ شاعری میں بالعموم وہ تمام چیزیں ملتی ہیں جو اس نوع سخن کے لئے ضروری ہیں شبنم صاحب۔ بہت بڑے عاشق رسول ﷺ تھے اور آپ ﷺ ہی کے قدموں میں رہ کر زندگی گزارنے کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے۔ شبنم صاحب کی نعتیہ شاعری پر مشہور ناقد و ادیب و ہم عصر پروفیسر عبدالمغنی صاحب ایک مقالہ میں تحریر کرتے ہیں:

> ''شبنم صاحب خوش گلو اور خوش بیان ہونے کے ساتھ ساتھ خوش اخلاق بھی ہیں۔ وہ اپنے مذہبی رنگ میں بہت پختہ ہیں۔ اس کا اثر خصوصیت کے ساتھ ان کی نعتیہ شاعری پر پڑا ہے۔ گرچہ وہ غزلیں بھی لکھتے ہیں اور نظمیں بھی۔ بہرحال ان کی نعتیہ شاعری میں سب سے نمایاں عنصر رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے ساتھ ان کی والہانہ محبت اور جوش عقیدت ہے، جو ظاہر ہے کہ جہاں ان کے لیے تحریک نعت گوئی ہے وہیں ہر مسلمان

کے لیے سرمایۂ سعادت۔ شبنم صاحب کی نعتیہ شاعری میں ایک شیدائی رسول کی ذات پیغمبر ﷺ کے ساتھ شیفتگی کے وہ تمام مظاہر پائے جاتے ہیں جو اردو اور فارسی نیز عربی نعت گوئی میں صدیوں سے موجود ہیں۔ اس روایت میں شبنم صاحب کے ذاتی احساسات وجذبات بعض اوقات انفرادی طور سے تخیل وتصور کی بہار دکھاتے اور گل کاریاں کرتے ہیں۔ چنانچہ جب شبنم صاحب اپنے خاص ترنّم سے نعتیہ اشعار پڑھتے ہیں تو اس کا اثر سننے والوں پر وجد کی شکل میں پڑتا ہے۔'' (صہبائے عقیدت، ص ۸)

شبنم صاحب کے شاگرد پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے ایک جگہ نعتیہ شاعری پر یوں لکھا ہے:

''شبنم کمالی کی شاعری کا آغاز تو بلا شبہ غزل گوئی سے ہوا ہے لیکن مخصوص ماحول، خاندانی پس منظر اور عشق رسول ﷺ کی دولت گراں مایہ نے بہت جلد ان کو نعتیہ شاعری کی طرف متوجہ کر دیا اور عرصۂ دراز تک اس کو ہم خرما وہم ثواب سمجھ کر اپنائے رہے۔ قدرت نے خوبصورت اور دلکش ترنّم سے بھی نوازا ہے۔ چنانچہ میلاد پاک کی محفلوں، سیرت پاک کے جلسوں اور نعتیہ مشاعروں میں ان کی شرکت ناگزیر سمجھی جانے لگی اور وہ ایک خوش کلام وخوش نوا شاعر کی حیثیت سے پورے ملک میں مقبول ہو گئے''۔ (تنویر خیال، ص ۵)

عقیدت ومحبت کے جو نذرانے نعت نبی کی شکل میں شبنم صاحب نے پیش کیے ہیں وہ سب کے سب ان کے والہانہ جذبے کے ترجمان ہیں ؎

سرمایۂ نجات ہے شبنم یہی مرا
جاؤں گا ساتھ نعت کا دیواں لیے ہوئے

نعت شہ طیبہ ہی شبنم کی کمائی ہے
بازار میں یہ سکّہ کھوٹا نہ کبھی ہوگا

نامۂ اعمال شبنم پیش جب تیرا ہوا
سب پہ بھاری حشر میں نعتوں کا دفتر ہو گیا

پڑھی ہے جو نعتِ نبی میں نے شبنم
تو رحمت نے میری جبیں چوم لی ہے

کیا لائے ہو سرمایہ، پوچھا جو گیا شبنم
محشر میں شہ دیں کی ہم نعت سنا دیں گے
مجھے خالق نے شبنم نعت گوئی کا شرف بخشا
سرِ عرش بریں قسمت کے تارے جگمگاتے ہیں

ان نعتیہ اشعار کو پڑھنے کے بعد کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ شاعر کا دل عشق نبی ﷺ میں غوطہ زن نہیں ہوگا اور وہ کسی طرح سے اپنی جان اپنے آقا پر نچھاور کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ اس میں عقیدت و محبت کا مکمل اظہار ملتا ہے۔ نعت گوئی کو ہی شبنم صاحب ذریعۂ نجات اور اپنی بخشش کا ذریعہ بھی سمجھتے تھے۔ وہ نعت گوئی شاعری سمجھ کر نہیں کرتے تھے بلکہ عقیدت کا اظہار شعری انداز میں کرتے تھے ۔

نعت سرکار شبنم کا مقصود ہے
دیکھتا ورنہ کیوں شاعری کی طرف

شبنم صاحب کی نعتیہ شاعری سے متاثر ہو کر ڈاکٹر حبیب الرحمٰن علیگ تحریر کرتے ہیں:

''مولانا شبنم کمالی نے اپنی نعت گوئی میں عقیدت کی معاملہ بندیوں اور شریعت کی حد بندیوں کے لطیف تقاضوں کو پوری کامیابی کے ساتھ برتا ہے، اسی لیے جب وہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں تو دل جھومنے لگتا ہے اور جب شریعت کے تقاضوں کو برتتے ہیں تو دماغ بیدار ہو جاتا ہے۔ نعت گوئی کا یہ وہ مرحلہ ہے جہاں مولانا شبنم کمالی کا فن مولانا احمد رضا

بریلوی کے فن نعت گوئی سے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ دونوں ہی مدحت سرایان رسول کے پاس جذبات کی فراوانی اور اظہار عقیدت کا والہانہ پن کمال درجہ پر ملتا ہے، لیکن دونوں فنکاروں کی دلی کیفیتوں کا راز دار پاسبان عقل وخرد ہمیشہ ان کے پاس موجود رہتا ہے، کیوں کہ یہاں دل کو تنہا چھوڑ دینا اظہار جذبات کے عمل میں لغزش کے امکانات کو ہوا دینا ہے''۔ (جامِ نور، شبنم کمالی نمبر، ص ۴۷)

شبنم صاحب نے اپنی نعتیہ شاعری کو ''صہبائے عقیدت'' میں عرض مصنف کے تحت تین ادوار میں تقسیم کیا ہے:

دورِ اوّل ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۵ء تک کا ہے۔ اس درمیان جو نعتیں کہی گئی ہیں وہ ''انوارِ عقیدت'' اور ''فردوسِ عقیدت'' میں مجموعہ کی شکل میں موجود ہیں۔

دورِ ثانی ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۰ء تک کا ہے۔ اس دور کی کہی گئی نعتیں ''ریاض عقیدت'' اور ''ضیائے عقیدت'' نام کے مجموعہ میں داخل ہیں۔

دورِ ثالث ۱۹۸۱ء سے ۱۹۹۴ء تک کا ہے۔ اس عہد کی کہی گئی نعتیں ''صہبائے عقیدت'' کی شکل میں موجود ہیں۔

''صہبائے عقیدت''، یعنی دورِ ثالث کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے:

نقش اول : اس میں ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۶ء تک کا نعتیہ کلام شامل کیا گیا ہے۔ اس میں ۶۷ نعتیں اور ان سے پہلے ایک حمد باری تعالیٰ ہے۔

نقش ثانی : اس میں ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۴ء تک کا کلام جمع کیا گیا ہے، جن کی تعداد ۱۱۲ ہے پھر پندرہ قطعات، سات رباعیات اور آخر میں پانچ منقبتیں اور ایک سلام ہے۔

ان تینوں ادوار کے کلام پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ شبنم صاحب کے یہاں بتدریج پختگی فکر وفن میں اضافہ ہوا ہے۔ کیوں کہ شاید ہی کوئی ایسا وہبی شاعر گزرا ہو جس کی شاعری ابتدا تا انتہا یکساں ہو اور پختگی لیے ہوئے ہو اور اس میں اُتار چڑھاؤ نہیں آیا ہو۔ شبنم صاحب کی شاعری بھی ارتقائی مراحل سے گزری مگر اس نے نسبتاً بہت جلد اپنی پہچان بنالی اگر چہ شبنم صاحب مختلف اصناف میں کامل مہارت رکھتے تھے مگر یہ عشق نبی کا جذبہ تھا کہ آپ نے نعت گوئی کو ترجیح دی۔ مختلف مقامات سے لئے گئے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں ۔

حق تعالیٰ خود بیاں کرتا ہے رفعت آپ کی
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی فضیلت آپ کی
آپ کے صدقے ملا کونین کو حسنِ وجود
دو جہاں کے واسطے بیشک ہے رحمت آپ کی
تو حبیب کبریا ہے ترے پاس کیا نہیں ہے
ہاں سوال کوئی کر دے تو زباں پہ لا نہیں ہے
کرم کا، فضل کا، احسان کا لطف و عنایت کا
نمونہ ہیں حبیب کبریا وحدت میں کثرت کا

کوئی اب تک ہوا ہے نہ ہوگا کبھی دو جہاں میں ہمارے نبی کی طرح
جو بھی اوصاف ان کے ہیں بے مثل ہیں کون ہے سید ہاشمی کی طرح

۱۹۵۰ء کے بعد سے ہندوستان نہیں بلکہ صرف بہار ہی کو لے لیجیے تو قتیلؔ دانا پوری، واقفؔ عظیم آبادی، عطاؔ کاکوی، نجمؔ خیر آبادی، مہرؔ شکروی، حفیظؔ بنارسی، طلحہ رضوی برقؔ، انجمؔ کمالی، فاروق احمد صدیقی، عبدالمنان طرزیؔ، متینؔ عمادی، ظفرؔ صدیقی، نازؔ قادری، صابرؔ بھنگوی اور شبلیؔ پوکھریروی جیسے کئی بڑے نام سامنے آتے ہیں اور سبھوں کی نعتیہ شاعری قابل لحاظ

ہے، مگر شبنم صاحب کی بہر صورت ایک خاص پہچان بنتی ہے مثلاً۔ ایک جگہ شبنم صاحب مدحت رسول ﷺ کرنے پر ناز کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

کسی کا ناز تقویٰ پر کسی کا پارسائی پر
مجھے بس ناز ہے سرکار کی مدحت سرائی پر
مجھے اُمید ہے شبنم خدا سے اجر پاؤں گا
بہائے ہیں جو آنسو میں نے طیبہ کی جدائی پر

جو نبی کی نعت کہنا مرا مشغلہ ہے شبنم
کبھی اس عمل میں گھاٹا نہ ہوا نہ ہے نہ ہوگا

شکر ہے روزِ ازل تقسیم نعمت جب ہوئی
مشغلہ شبنم نے پایا مدحت سرکار کا

محمد عربی ﷺ کا ذکر خیر کرنا باعث فضیلت و برکت بھی ہے اور ایمان و یقین کی پختگی بھی۔ یاد نبی ﷺ کا فائدہ کیا ہوتا ہے اس کے متعلق شبنم صاحب فرماتے ہیں ؎

بسالو اُن کی یادوں کے اُجالے اپنے سینوں میں
اندھیرا دور ہوگا روشنی ہی روشنی ہوگی

جو غم حیات و ممات تھا کہیں دور کوسوں نکل گیا
تری یاد میں مرے مصطفٰے کچھ عجیب کیف و سرور ہے

کرو ذکر نبی ہر دم پڑھو نعت نبی ہر دم
مرے زخم جگر کو بس یہی مرہم پسند آیا

یادِ نبی کا لمحہ لمحہ روشن لگتا ہے
اُجلا اُجلا خانۂ دل کا آنگن لگتا ہے

تمھاری یاد کی لذت عجیب ہے آقا
خودی کے ساتھ ملی ہے جو بیخودی ہے عزیز

نعت اقدس کا شبنم یہ اعزاز ہے
ہر مصیبت سے ہم پار پانے لگے

ذکر رسول ﷺ کے تحت مزید اشعار ملاحظہ کریں ۔

جو ہو سکے تو کیے جاؤ ذکر پاک حبیب
یہ بات وہ ہے جب سب سے بھلی لگے ہے مجھے

عروج معرفت کا بس یہی ہے معتبر زینہ
کرو ذکر شہ دیں جسم میں طاقت جہاں تک ہے

نعت رسول پاک کا شبنم یہ فیض ہے
ہر شعبۂ حیات میں تو کامیاب ہے

عشق رسول ﷺ کی منزلوں میں ادب کے ساتھ عقیدت ومحبت اور احترام واہتمام کی کیفیت کی جستجو ہو تو شبنم صاحب کے ان اشعار میں تلاش کیجیے ۔

دامن عقل و ہوش و خرد تھام لو
جب چلو تم نبی کی گلی تھام لو
وجد میں لوگ جنت کی جانب بڑھے
اور جنت غلام نبی کی طرف

وفورِ شوق کی جولانیاں طیبہ میں گم صم ہیں
ادب کی حد سے بڑھنے کا یہاں یارا نہیں ہوتا

ہوگا یہ لطف و کرم مجھ پہ غبارِ طیبہ
آ کے آنکھوں میں ٹھہر جائے جو ذرّہ تیرا

نہ دیکھ راہِ مدینہ میں آبلہ پائی
کھلے ہیں پھول خوشی کے ہر ایک گام کے بعد

یہ ایک عام روش ہے کہ جب کوئی کسی کا عاشق ہوتا ہے تو اسے محبوب سے پل بھر کی جدائی برداشت نہیں ہوتی۔ شاعر بھی محبوب کائنات کا عاشق ہے۔ گرچہ محمد عربی ﷺ حیات ظاہری میں نہیں رہے، لیکن وہ جہاں آرام فرما ہیں اس دیار کی زیارت کے لیے شاعر تڑپ رہا ہے۔ گریہ وزاری کر رہا ہے کہ کب موقع نصیب ہو کہ اپنی آنکھوں سے روضۂ اقدس کو دیکھ سکیں ۔

کب دیکھیے بلاتے ہیں طیبہ ہمیں حضورؐ
شبنم نصیب ہوتا ہے کب وصل کا پیام

کبھی اپنے در پہ بلایئے مجھے اپنا جلوہ دکھایئے
یہی آرزوئے حیات ہے یہی زندگی کا سوال ہے

جب شبنم صاحب کی دعا بارگاہِ رب العزت میں قبول ہوتی ہے اور مدینہ کی زیارت نصیب ہوتی ہے تو روضۂ اقدس کے قریب کھڑے ہو کر یوں نعت سرا ہو جاتے ہیں ۔

بھیک جلووں کی مجھے بھی ہو عطا میرے حضور
ہے مرے دل کی یہی کب سے صدا میرے حضور
روشنی تو چشم و دل کو لازماً مل جائے گی
رُخ سے پردہ تو ہٹا لیجے ذرا میرے حضور
دل کو گلہائے تبسم سے مرے بھر دیجے
آپ کا گلشن رہے پھولا پھلا میرے حضور
حاضر دربار عالی آج ہے عصیاں شعار
بخشوا دیجے خدا سے ہر خطا میرے حضور
در پہ آیا ہے زمانہ کا یہ ٹھکرایا ہوا
اپنے قدموں سے نہ کیجیے اب جدا میرے حضور

بندۂ عاصی کو آقا یہ سند دے دیجیے
رد نہ ہو جو بھی کرے دل سے دعا، میرے حضور
لے رہا ہوں سانس میں شہر وفا میں آج کل
کس زباں سے شکر ہو اس کا ادا میرے حضور
اپنی آنکھوں سے عطا وہ جامِ عرفاں کیجیے
حشر تک ملتا رہے اس کا مزا میرے حضور
منسلک جو مجھ سے ہیں ان کو بلا کر دیجیے
اپنے روضہ سے شفاعت کی جزا میرے حضور
حاضرِ دربار شبنم آپ کا ہو بار بار
کیجیے مقبول اس کی التجا میرے حضور

دنیا سے جب کسی کے جانے کا وقت قریب ہوتا ہے تو اس کی نگاہ اپنے اعمال وافعال پر ہوتی ہے اور اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جان کنی کے عالم میں ہر وقت زبان سے ذکر الٰہی اور ذکر رسول نکلتا رہے۔ ساتھ ہی اگر رسول اللہ ﷺ کی نورانی صورت نظر آجائے تو ساری پریشانیاں دور ہو جائیں، پھر ایک ایسا شخص جس کی پوری زندگی ذکر رسول میں گزری ہو کیا اس کی یہ تمنا نہ ہوگی کہ نزع کے وقت آپ ﷺ کی صورت ورخِ انور سامنے ہوتا کہ موت کی سختی اور گھبراہٹ سے ماورا ہو کر خوشی ومسرت محسوس کرنے لگے۔ ان سب باتوں کو شبنم صاحب نے کس طرح اپنے کلام میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، آپ بھی دیکھئے۔

دعا یہ ہے کہ جب ہو جاں کنی کا وقت شبنم کی
ترے محبوب کا یارب رخِ انور نظر آئے

گر وقت نزع شبنم ہوں پاس شہ طیبہ
ہم جان وجگر ان کے قدموں میں لٹا دیں گے

دمِ نزع اپنا جلوہ جو دکھا دیں شاہِ طیبہ
مری روح تن سے نکلے بہ خوشی مچل مچل کے

جان جب نکلے تو ہوں محبوب داور سامنے
دل میں ارماں ہے یہی اس کے سوا کوئی نہیں

یہ تمنا ہے کہ جب موت کی ساعت آئے
ان کی چوکھٹ ہو مری ناصیہ فرسائی ہو

جاں کنی کے وقت شبنم لب پہ ہو نعتِ نبیؐ
اور آنکھوں میں رہے صورت رسول اللہ کی

جانِ سرکار دو عالم کے قدم پر نکلے
ہے دمِ نزع یہی ایک تمنا دل میں

روز محشر کا نام سنتے ہی مسلمانوں کا دل لرز اُٹھتا ہے۔ گھبراہٹ و پریشانی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ ذہن کام کرنا چھوڑ دیتا ہے، کہ اس دن ہر شخص نفسی نفسی کے عالم میں رہے گا، ہر ایک کو اپنے اعمال نامہ کا انتظار ہوگا اور جب یہ اعمال نامہ ملے گا تو گنہ گار شفاعت کے لیے دردر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں گے یہاں تک کہ آخر میں شافع محشر، محمد عربی ﷺ کے پاس سارے امتی اپنی فریاد لے کر حاضر ہوں گے تو وہ بارگاہِ رب العزت سے ان لوگوں کی سفارش کریں گے۔ اس کے بعد اپنے رُخِ زیبا کو اٹھا کر جب امت کی طرف دیکھیں گے تو ہر ایک کا غم ہلکا ہو جائے گا اور ان مناظر کو شبنم صاحب نے کچھ اس طرح سے پیش کیا ہے۔

دکھائیں گے جلوہ جو محبوبِ داور
فزوں عید سے روزِ محشر رہے گا

شبنم صاحب کو یقیناً شعر و شاعری پر قدرت و مہارت حاصل تھی۔ انھوں نے ایک نعتیہ نظم

ایسی پیش کی ہے جس میں کہیں بھی نقطہ نہیں ہے حتیٰ کہ اپنا تخلص جو شبنم لکھتے ہیں وہ بھی بدلا ہوا ہے اور کمالی کے تخلص سے یہ اشعار مذکور ہیں۔ اشعار میں روانی وسلاست اور زورِ بیان کسی بھی طرح دوسرے اشعار سے کمتر نہیں۔ اشعار ملاحظہ کیجیے اور شبنم صاحب کا صلاحیت کا داد دیجیے۔

عطائے احمد مرسل اسی کو حاصل ہے
کرم کی آس لگائے ہوئے اگر دل ہے

مہک گلوں کو ملی ہے، دمک ملی دل کو
اسی کا رحم و کرم ہے عطائے کامل ہے

ملی ہے داورِ عالم سے سروری اس کو
وہی ہے والی و حاکم وہ مردِ عادل ہے

درِ رسول کی دوری سے درد ہے دل کو
وہ کامراں ہے جو اس کی گلی سے واصل ہے

کہا ملے گا دو عالم کو اس طرح کوئی
کہ اس کا اسم محمد دوائے ہر دل ہے

مری دعا ہے کہ کوئے رسول سے ہولوں
اسی کے واسطے اٹکا ہوا مرا دل ہے

لگائے کس طرح گردوں کے مہر سے دل کو
کہ روئے احمد مرسل ہی مہر کامل ہے

ہو لمحہ لمحہ درود و سلام احمد کو
ہر اک مراد کا سائل اسی کا عامل ہے

دوائے درد کرے گا وہی کمالی کا
وہی ہے ہادیٔ عالم وہ اہل کامل ہے

شبنم صاحب نے اسلامی تاریخ کے ساتھ ساتھ بہت سارے دیگر واقعات وحادثات کو بھی اپنے اشعار میں جگہ دی ہے۔ بہت سے اشعار میں ایسے ایسے اشارے وکنایے ملتے ہیں جو یقیناً ان کو دوسرے شعرا سے منفرد وممتاز کرتے ہیں۔

مرے آقا کے قدموں نے مثالی زندگی دے دی
بہت رویا تھا حنانہ شہ دیں کی جدائی پر
نشانِ بندگی پشتِ مبارک پر نمایاں تھا
چٹائی پر کبھی سوئے نبیؐ یا چارپائی پر
مرے سرکار رتبہ ہے یہ تیرے پائے اقدس کا
عطا جبریل کو معراج کر دی جبہ سائی پر

ایسا شاعر جس نے تمام اصناف سخن میں تمام بحور میں طبع آزمائی کی ہو اور تاریخ اسلام، مذہبی و دینی واقعات، محمد عربی ﷺ کی سیرت و اوصاف اور قوم وملت کے درد کو حتی المقدور اشعار کے ذریعہ عوام کے سامنے لانے کی بھرپور کوشش کی ہو، یقیناً استادی کا درجہ رکھتا ہے۔ شبنم کمالی کا نام ایسے ہی کامیاب اور استاد شعرا کی فہرست میں ہے، جن کی زندگی کا بیشتر حصہ نعت رسول وعشق نبی میں گزرا اور اپنی نجات وکامرانی کا ذریعہ بھی اس مدحت کو ہی سمجھتے تھے، ان کی نعتیہ شاعری میں تشبیہات وتلمیحات خوبصورت شکل میں آباد ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری کو بے حد خوش سلیقگی اور دقت نظری سے سنوارا اور سجایا ہے، جس کی وجہ سے ہر شعر میں والہانہ پن اور شیفتگی کا عنصر پایا جاتا ہے۔

غزل گوئی

شاعری کی اس صنف سخن کا نام غزل ہے جس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں اور باقی اشعار کے آخری مصرعوں میں قافیہ اور ردیف کی پابندی ہوتی ہے (کبھی ردیف چھوڑ بھی دی جاتی ہے) اور جس کا ہر شعر معنی ومفہوم کے اعتبار سے اپنے آپ میں مکمل اور ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔

غزل اردو شاعری کی قدیم ترین صنف ہے۔ یہ فارسی سے مستعار ہے۔ اردو شاعری میں یہ صنف وقت کے تغیر کے ساتھ مختلف مدارج طے کر کے اپنے مخصوص پیرایۂ اظہار میں داخلی اور خارجی پہلوؤں کی ترجمانی اور عکاسی کرتی ہے۔ جہاں تک موضوعات کا تعلق ہے، غزل میں ہر طرح کے موضوعات داخل کیے جاتے رہے ہیں۔ غزل کی یہی ہمہ رنگی ہر دور اور ہر کیفیت کو اپنے اندر سمو لینے کی صلاحیت رکھتی ہے، لیکن غزل کی ہیئت میں لچک نہیں ہے۔ اس لیے وقت کے تغیر کے ساتھ جہاں دوسرے شعری اصناف میں ہیئت کے تجربے کیے گئے وہاں غزل کے موضوعات میں وسعت پیدا کرنے کے علاوہ اس میں کوئی ہیئتی تجربہ نہیں کیا گیا ہے۔ (فیض کی شاعری، ص ۹۹)

غزل کی صنفی شناخت کا دارومدار اور محور ومرکز اس کی مخصوص ہیئت پر ہے۔ اس

صنف میں موضوع کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک عرصہ تک غزل حسن و عشق کی کیفیات اور دلی جذبات کے اظہار کے لیے ایک موثر ترین وسیلہ سمجھی جاتی تھی لیکن غزل کسی موضوع میں سمٹ کر نہیں رہی۔ ہر طرح کے خیالات، احساسات و جذبات کے اظہار میں اس نے اپنی صلاحیت کو منوالیا۔ عہد جدید میں غزل جس طرح کا موضوعاتی تنوع پیش کر رہی ہے اس کے پیش نظر اس کی تخلیقی توانائی اور وسعت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

شبنم صاحب کی شاعری کی ابتدا ہی غزل سے ہوئی تھی۔ زبان کی سادگی و سلاست کا غیر معمولی رول ان کی غزل میں موجود ہے اور یہ ان کے مزاج کی سادگی و شرافت کی دلیل بھی ہے۔ غزل پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک جگہ نظیر صدیقی رقم طراز ہیں:

> ''غزل کی زمین آسان ہو یا مشکل۔ اچھی غزل کہنا ہر حال میں مشکل کام ہے۔ سہل یا سنگلاخ زمینوں کا انتخاب شاعروں کی صرف سہل نگاری یا مشکل پسندی کا ثبوت نہیں بلکہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ وہ غزل میں زمین کی ایجاد یا انتخاب کی اہمیت سے واقف نہیں۔ غزل کی رعنائی اور توانائی کا دارومدار اچھی زمین کی ایجاد یا انتخاب پر ہے۔ اچھی زمین صرف خوبصورت ردیف، قافیے اور بحر سے نہیں بلکہ وہ شاعر کی نفسیاتی اور جذباتی گہرائیوں سے نکلتی ہے۔ صحیح زمین کی ایجاد یا اس کا انتخاب ایک غزل گو کے بنیادی مسائل میں سے ہے۔ صحیح زمین تک غزل گو کی رسائی اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے جتنی مناسب ہیئت (فارم) تک نظم نگار کی رسائی۔ ہر غزل گو کی بہترین غزل یا غزلیں وہی ہوتی ہیں، جن کی زمین اُس کی کلیدی تجربات و محسوسات کو اظہار میں لانے کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت رکھتی ہے۔'' (جدید اردو غزل، ص ۲۴۶)

سابقہ تحریر سے شبنم صاحب کی غزل گوئی کی تائید ہوتی ہے۔ کیوں کہ انھوں نے ردیف و

قافیے کی مکمل رعایت کے ساتھ جذبات، احساسات اور نفسیات کے علاوہ اچھی زمین کی ایجاد و انتخاب کو بھی خوب جگہ دی ہے، جو ان کے استادانہ کمال فن کا اظہار ہے۔ شبنم صاحب فطرتاً غزل کے شاعر ہیں۔ آپ کی غزلیہ شاعری پر پروفیسر طلحہ رضوی برق تحریر کرتے ہیں:

''غزلوں میں ان کا سہل انداز، مترنم بحور کا انتخاب، نئی نئی زمینوں کی اختراع، مؤثر اور دلکش ردیفوں کا استعمال، بالعموم فارسی ترکیبوں، نامانوس بندشوں اور گنجلک بیان سے پرہیز، صاف و سادہ زبان کا لحاظ، جذبات مطہّر کی عکاسی، خیالات ستودہ کی ترجمانی، افکار بلند کا اظہار اور ان سب کے پیچھے ذہن کی کارفرمائی جس سے معاشرے اور سماج کو قیمتی اقدار ملیں۔ ایک مبلغ انسانیت، پیشوائے دین و ملت جب شعر و سخن کی پابند فنکاری پر آتا ہے تو اس کی شاعری حافظؔ و سعدیؔ، خسروؔ و اقبالؔ، درد و نیازؔ اور ریاضؔ و رضاؔ کی روحوں سے کسب فیوض کرتی ہے۔'' (تنویر خیال، ص ۱۸)

برق صاحب نے جو نکات غزل کے لیے پیش کیے ہیں اس کے مطابق شبنم صاحب کی غزلیں نظر آتی ہیں کیوں کہ ان کی شاعری صرف سادہ ہی نہیں بلکہ اس میں جدید اصطلاحات، نادر ردیفیں، مشکل قافیے، سنگلاخ زمینیں، جمالیاتی دروبست، خوبصورت لفظوں کا انتخاب، دل آویز بندشیں اور وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جس سے فن کا آئینہ جگمگا اٹھتا ہے اور اہل ایمان کا دل سماعت شعر کے بعد معطر و منور ہو جاتا ہے۔

اس طرح شبنم صاحب کے شاگرد پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے بھی اپنے استاد کی غزل گوئی پر خامہ فرسائی کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے کہ ان کی غزل گوئی اپنے عہد کے شعرا سے ہر ایک اعتبار سے ممتاز و نرالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ان کی غزلیہ شاعری کے مطالعہ سے جو مجموعی تاثر قائم ہوتا ہے وہ یہ کہ اس کا پیرہن روایت اور جدت کے تارِ حریر دو رنگ سے تیار ہوا ہے یعنی ان کی شاعری اگر ایک طرف روایت سے ہم آہنگ ہے تو دوسری طرف

اس نے اپنے دروازے اور کھڑکیاں تازہ ہواؤں کے لیے کھلا رکھا ہے۔ ان کا مزاج یقینی کلاسیکی ہے مگر ایسا کلاسیکی نہیں جو شاعری میں جدید خیالات اور نئے تجربات کو شجر ممنوعہ سمجھتا ہو بلکہ ان کے یہاں ہمارے ادب کی صالح روایات کے احترام اور اپنے علمی سرمائے، تہذیبی اقدار اور تاریخی ورثہ کے شعور و ادراک کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ روایت کے احترام اور اپنے ادبی ورثے کی اہمیت کا احساس فن کو نئی منزلوں سے روشناس کراتا ہے۔ جب کہ روایت پرستی، ترقی پسندانہ خیالات اور جدید اسلوب اظہار سے روکتی ہے۔'' (تنویر خیال، ص ۷)

صدیقی صاحب نے اپنے خیالات کی تصدیق کے لیے شبنم صاحب کی غزل سے چند اشعار پیش کیے ہیں ۔

پاؤں کے زخموں سے ہو جائے نہ رنگیں آنگن
لال چادر کوئی پہلے سے بچھا کر رکھنا
جانے کب دھوپ میں جلتا ہوا راہی گزرے
کچھ تو سایہ کے لیے پیڑ لگا کر رکھنا

نسل انسانی فنا کرنے کی سازش الاماں
اسلحوں کی آگ میں سارا سمندر جل گیا
آتش رخسار کا پرتو قیامت خیز تھا
اس کی زد میں آ گیا جو بھی صنوبر جل گیا
رنج و غم، درد و الم کو اک ٹھکانہ مل گیا
اس سے پہلے میرا گھر ویران تھا، سنسان تھا

کھیت حسرت سے فلک کی سمت تکتے رہ گئے
پھر ہوا کا کوئی جھونکا سارے بادل لے گیا

کھڑا ببول کی چھاؤں میں کب سے ہوں تنہا
انیس غم ہے یہی گرچہ خاردار تو ہے
مانگے جو بھیک ہر دم سورج کی روشنی سے
ناز آئے دوستو ہم اب ایسی چاندنی سے

ہاں ساز زندگی پہ کوئی نغمۂ طرب
تنگ آگئے ہیں درد بھری داستاں سے ہم

شبنم صاحب تعلیمی دور کے شروع میں دیکھا کرتے تھے کہ ایک شاعر شعر سنا کر کس طرح داد تحسین حاصل کرتا ہے اور اس کی شاعری سے سامعین کس طرح محظوظ ہوتے ہیں۔ جب آپ نے شعری دنیا میں قدم رکھا بلکہ کچھ عرصہ گزر گیا تو یہ احساس ہوا کہ کیوں نہ مشاعرہ اور جلسہ میں شرکت کی جائے۔ چنانچہ شبنم صاحب مختلف جلسوں اور ضلعی سطح کے مشاعروں میں شرکت کرنے لگے۔ ابتدا میں کچھ پریشانیاں بھی ہوئیں لیکن اس کے بعد تو جہاں بھی گئے اپنے خاص مترنم لہجہ کی وجہ سے مشاعروں کی ضرورت بن گئے۔ حالانکہ ابتدائی کلاموں میں کچھ جھول نظر آتا ہے لیکن ترنم کی وجہ سے اس جھول کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔

اس بزم کے مغموم نظاروں کی طرف دیکھو
گلشن کی سسکتی سی بہاروں کی طرف دیکھو
آتش ہے تو دریا کی طرف چشم تماشہ
شعلہ ہے تو شبنم کے پھواروں کی طرف دیکھو

مسرت چھین کر، دل میں مرے آہ و فغاں رکھ دی
چمن میں زندگی کے کس نے یہ فصل خزاں رکھ دی
یہ مانا میں نے اظہارِ محبت جرم ہے یارب
مگر اقرار الفت کو دہن میں کیوں زباں رکھ دی

ترا باغباں یہ کرم دیکھتے ہیں ہر اک سمت جور و ستم دیکھتے ہیں
وہی آج کل اجنبی بن رہے ہیں جنھیں ایک مدت سے ہم دیکھتے ہیں

یہ اشعار اس وقت کے ہیں جب شبنم صاحب کی عمر بارہ سال تھی۔ اس وقت کی عمر کے حساب سے بہت اچھے وعمدہ اشعار ہیں۔ جیسے جیسے عمر وشعور میں پختگی آتی گئی ویسے ویسے آپ کی شاعری میں بھی کمال پیدا ہوتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی شاعری میں کچھ ایسے موضوعات کو بھی جگہ دی جس کی طرف بڑا سے بڑا شاعر بھی جانے سے کتراتا ہے۔ ایک واقعہ جو دربھنگہ میں پیش آیا، احمد جاوید صاحب نے ''صحرا بھی گلزار لگے'' میں بیان کیا ہے کہ کس طرح سے سامعین شعرا کو پریشان کررہے تھے اور کسی کو بھی اشعار پڑھنے نہیں دیتے تھے لیکن شبنم صاحب کی باری جب آئی تو کس طرح سامعین سکتہ میں آگئے۔ وہ لکھتے ہیں:

''وہ غالباً ۱۹۸۴ء کی بات ہے۔ سی۔ ایم۔ کالج دربھنگہ کی بزم ادب نے کل ہند مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا۔ مشہور ترقی پسند نقاد پروفیسر محمد حسن اس مشاعرہ کے مہمان خصوصی تھے۔ شاعروں اور ادیبوں کا ایک اچھا خاصا مجمع تھا۔ طلبہ اور اساتذہ کثیر تعداد میں شریک تھے۔ سامعین کی صف میں ان نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، جن میں سے کئی آج شاعروں اور ادیبوں کی حیثیت سے پوری دنیائے اردو میں جانے مانے جاتے ہیں۔ کیا ترقی پسند اور کیا جدیدیے دو تین کے سوا کسی کو بھی حاضرین نے گوارا نہیں کیا حتی کہ مزاحیہ شاعر آفتاب لکھنوی بھی نہیں چل سکے۔ مجھے وہ منظر آج بھی یاد ہے کہ جب مولانا شبنم کمالی کو غزل پیش کرنے کے لیے آواز دی گئی تو اسٹیج پر رونق افروز شعرا و ادبا اپنی معنی خیز مسکراہٹوں سے اشارہ کررہے تھے کہ اب مولانا کی باری ہے۔ یہ تماشا بھی دیکھ ہی لیں۔ ایک صاحب اُچھل کر بولے یہاں تو دو ہی جدیدیے ہیں۔ ان کا اشارہ ایک مولانا اور دوسرے سلطان اختر کی جانب تھا، جن کو نوجوانوں نے

ایک شعر بھی پڑھنے نہیں دیا تھا لیکن مولانا اپنی دلنواز مسکراہٹ کے ساتھ
مائک پر آئے تو ایسا کچھ نہیں ہوا جس (تماشا) کا انھیں انتظار تھا۔ یہ دیکھ کر
ان کی حیرت نہ رہی کہ مجمع کا رنگ ہی بدل گیا۔''

یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ آپ کی تربیت و پرداخت کچھ اس انداز سے ہوئی تھی کہ شاعری کی دنیا میں رہ کر بھی تبلیغ اسلام اپنی شاعری کے ذریعہ کرتے رہے اور اسلام کی پُرشکوہ روایت، عالمگیر صداقت وحقانیت اور آفاقیت کا پرچم بلند کرتے رہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

نرغۂ فرعون میں پھر روحِ آدم زاد ہے
کوئی موسیٰ بھیج دے، مولا مری فریاد ہے

صبر و رضا کا جب مجھے پیکر بنا دیا
پھر یہ سوال کیوں کہ میری پسند کیا ہے

یہ دور ظلم ، یہ فتنہ ، یہ قتل کی سازش
خدا کے واسطے یادِ رسول کر لینا

قلب مومن کی طرح ملتی ہے تابانی اُسے
سجدۂ بے لوث خالق کو جہاں کرتے ہیں لوگ

تیرا ایماں ہو سلامت ، فکر کر شبنم یہی
زور ہے فتنہ کا ، دور ظلمت و الحاد ہے

فکر عقبیٰ تو نہیں دل میں ذرا شبنم
ہیں مگر موت سے ہم لوگ ہراساں کتنے

ضرورت اب بھی ہے فرعون کو ضرب کلیمی کی
اٹھے بن کر کوئی موسیٰ ، کوئی زور عصا مانگے

ان کے علاوہ کچھ اشعار ایسے بھی ہیں جن سے دنیا کی طرف سے بے نیازی، بے رغبتی اور آخرت کی محبت اور مال ومتاع سے بے التفاتی و بے توجہی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

وہ مال جس کی حفاظت پہ جان دیتے ہیں
تمھاری موت پہ ہے اس کا دوسرا وارث
عمل ہی ساتھ گیا کوئی بھی نہ کام آیا
چھپا کے قبر کی مٹی میں آگیا وارث
لگا کے دنیا سے دل کیا کرو گے اے شبنم
وہ کامیاب ہے جس نے کہا خدا وارث

زندگی جس میں نہ ہو پوری کسی کی آرزو
کیوں کرے انسان ایسی زندگی کی آرزو

شبنم صاحب کی تربیت، نشو و نما، ملازمت اور زندگی کے بیشتر ایام گاؤں میں گزرے تھے۔ ان کے رگ وریشہ میں گاؤں سے انسیت ومحبت رچی بسی تھی۔ وہ گاؤں کے ماحول کو بہت پسند فرماتے تھے۔ وہاں کے لوگوں کی صدق دلی، صداقت لسانی، تہذیب و تمدن، سماجی واخلاقی درستگی، آپسی میل جول اور محبت واخوت سے اس قدر متاثر تھے کہ شہر کی تمام ترقیوں، سہولتوں، چمک دمک، روزگار کے عمدہ سے عمدہ ذرائع، تعلیم کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراکز کے باوجود بھی گاؤں سے افضل وبہتر نہیں سمجھتے تھے، کیوں کہ اس پُرفتن وریاکاری کے دور میں بھی گاؤں کے باشندوں کے اندر بھولا پن دیکھنے کو ملتا ہے جو کہ شہر میں شاید وباید ہی نظر آئے۔ نیز وہاں کے لوگوں کے مزاج وذہن میں سادگی، شائستگی اور کردار وگفتار میں جو ملائمیت وناز کی ملتی ہے اس سے انکار ممکن نہیں۔ انھی باتوں کی وجہ سے شبنم صاحب گاؤں کے لوگوں سے بہت زیادہ پیار ومحبت کیا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ قیام فرما کر ان کی دلجوئی و حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ انہوں نے گاؤں کے معاشرہ کو اپنی شاعری میں جگہ دی اور اس طرح ان کے احوال واخلاق کو بیان کیا۔ ملاحظہ ہو ؎

گاؤں کے لوگ ہیں اخلاص و وفا کے پیکر
شہر کا زہر نہ کھانے میں ملا کر رکھنا

تم کو اس شہر میں جینا ہے تو جینے کے لیے
روپ کو چھوڑ کے بہروپ بدلنا ہو گا
شہروں کے شور وغل میں احساس یہ ہوا ہے
کچھ اجنبی ملے ہیں راہوں میں اجنبی سے

ایک تاجر آ گیا تھا ایک دن اس گاؤں میں
دے کے مٹی کے کھلونے سارے پیتل لے گیا

ایک پاگل جب سے اک جنگل میں جا کر کھو گیا
شہر کی گلیاں ہیں سونی اور بَن آباد ہے

ترنم سے غزل پڑھنا شبنم صاحب کا خاص فن تھا۔ ابتدا میں نعتیہ اشعار ترنم سے پڑھتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ آپ کی پہچان بن گئی تھی۔ جب آپ اپنے خاص ترنم اور لب ولہجہ میں مائک پر غزل پڑھتے تو ایک طرح کا سکتہ سامعین پر چھا جاتا تھا اور سارے لوگ بہت ہی دل جمعی وخوش مزاجی اور انہماک کے ساتھ اشعار کو سماعت فرماتے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

پھیر لیں آنکھیں خود ہی مجھ سے یہ بھی تم نے خوب کیا
موت نے بھی اب موقع پایا مجھ سے آنکھ ملانے کا

اپنے جذب دروں پر یقین ہے مجھے، تیز ہوگی اگر سازِ الفت کی لَے
چاند بن کے مرے گھر میں آجاؤ گے ذرّہ ذرّہ کو پھر جگمگاؤ گے تم

ساقی تجھ سے آنکھ لڑانا رندوں کو مقصود نہیں
میخانوں کو ڈھونڈ رہے ہیں آنکھوں کے پیمانوں میں

وہ نہ آئے تھے جب تک مری بزم میں زندگی میری خواب پریشاں نہ تھی
دل ہجومِ مصائب کا مرکز نہ تھا ، راحت و شادمانی گریزاں نہ تھی

منزل عشق کی راہ سے بے خبر رہ کے جو طے کرے زندگی کا سفر
جلوۂ حسن سے ہوگا محروم تر ، لاکھ سر اس زمیں پر جھکاتا رہے

جس آدمی کا دل خوفِ خدا سے لبریز ہو اگر اس کے سامنے بیکسوں وغریبوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ڈھائے جارہے ہوں تو وہ بھلا اس درد و کرب، ظلم وتعصب، نفرت وعداوت، رنج وغم اور نفاق وچپقلش کے خلاف کیسے خاموش رہ سکتا ہے۔ یقیناً اس کا ضمیر اسے جھنجھوڑے گا اور وہ ان تمام لغویات وخلفشار کے خلاف علَم بلند کرے گا۔ لہٰذا شبنم صاحب نے عہد حاضر کے ان تمام مظالم ومصائب کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا اور پھر اس کے متعلق بہت سے ایسے اشعار پیش کیے، جن میں ان سب چیزوں کی خبر گیری کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

درد وغم، رنج و الم جور و جفا دیتے ہیں
لوگ اس دور میں کیا اس کے سوا دیتے ہیں
ہو غرض اپنی تو سر اپنا جھکا دیتے ہیں
کام بن جائے تو آنکھوں سے گرا دیتے ہیں
جب کبھی بات کوئی دل کے موافق نہ بنے
زندگی بھر کا یہ احسان بھلا دیتے ہیں

وہ مشق کرتا ہے خنجر سے سب کے سینوں پر
وہی جو امن کا تم کو نقیب لگتا ہے

ان اشعار کا بغور مطالعہ کیجیے تو شبنم صاحب کی بے باکی، جرأت وہمت، صاف گوئی اور حقیقت بیانی کا احساس ہوتا ہے اور سماج دشمن عناصر کے خلاف اظہار کا اندازہ بھی۔ شبنم صاحب ایک جگہ عزم وہمت کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

کبھی نہ منزل کو پا سکے گا وہ جس میں عزم جواں نہیں ہے
حصول مقصد میں ہو جو کوشش تو وہ کبھی رائیگاں نہیں ہے

ظلم و نفرت، بربریت، قتل کے ماحول میں
یوں نظر آتے ہو شبنم تم غزل خواں کس طرح

شبنم صاحب نے اپنے غزلیہ اشعار میں کبھی سماج میں رسہ کشی تو کبھی دوستوں کی عداوت، کبھی اپنی بے کسی و بے بضاعتی کی روداد تو کبھی فانی زندگی کی داستان، کبھی آپسی میل جول، محبت و مواخات تو کبھی جواں ہمت و جواں عزم کی ترجمانی، کبھی عزم راسخ کا جذبہ تو کبھی کسب زر کی دقتیں، کبھی امرا کا پروازِ خیال تو کبھی غریبوں کی اندوہناک حالت کی کہانی اور کبھی اسلاف و اکابر کی پیروی تو کبھی دنیا سے بے رغبتی جیسے صدہا موضوعات و مشاہدات پیش کئے ہیں اور انھی خصوصیات و اوصاف کی وجہ سے وہ معاصر شعرا میں نمایاں دکھائی دیتے ہیں ۔

ہیں کسب زر میں سبھی پریشاں، اسی کو سمجھے ہیں دین و ایماں
مگر سمجھتے نہیں یہ ناداں کہ زندگی جاوداں نہیں ہے

دب کے رہ جاتا ہے وہ ناکامیوں کے بوجھ میں
جس بشر میں عزم راسخ جذبۂ پیہم نہیں

آنکھوں کی راہ سے وہ چلے آئے قلب میں
روداد عشق اس سے کوئی مختصر نہیں

شیش محل میں رہنے والے ان کی حالت کیا جانیں
ننگے بھوکے انساں کیسے جیتے ہیں میدانوں میں

تری یاد جب بھی آئی مرے دل نے یہ دعا دی
تو رہے جہاں میں شاداں تری ہر خوشی سلامت

پیام دل سنانا اے صبا یہ شرط ہے لیکن
ہماری ہی طرح تم کو جو اندازِ بیاں آئے

پھر رہے ہیں آج بھی راہوں میں کچھ خانہ بدوش
گردش شام و سحر کی ہے انھیں زحمت نصیب

دے رہا ہے ہر قدم پر اہل عالم کو فریب
آدمی جب سے بنا ہے جھوٹی شہرت کا حریص

آدمی کے دل کا آئینہ اگر ہو پاک و صاف
یہ نہیں ممکن نظر آئے کبھی باہر غلیظ

کون لے گا اس جہاں میں اب شرافت کا سبق
بھول بیٹھا آدمی جب حسن خلقت کا سبق

کیا برا ہے مجھے خاطر میں نہ لانا لوگو
اپنی اوقات بھی ہرگز نہ بھلانا لوگو

اپنے اسلاف کی عزت کو نہ رُسوا کرنا
راہِ جنت سے نہیں میرا یہ پیغام الگ
ایسی اولاد سے امید کرم مت رکھنا
جن کی آنکھوں میں ہو ماں باپ کا پیکر تابع

وہ گلشن عالم میں نہ پھولی نہ پھلی ہے
جس قوم میں ایثار و محبت کی کمی ہے

بے سبب کہاں کوئی گھر سے دور ہوتا ہے
دخل اس کی غربت کا کچھ ضرور ہوتا ہے

آسماں سے لے گیا اوپر بشر کا حوصلہ
دیکھ اے اہل فلک بے بال و پر کا حوصلہ

نظم نگاری

کسی ایک موضوع کو تسلسل، ارتقا اور موزونیت یا آہنگ کے ساتھ پیش کرنے کا نام نظم ہے۔ نظم کی کوئی مخصوص ہیئت نہیں ہوتی، وہ کسی بھی ہیئت یعنی دوبیتی، مثنوی کی ہیئت، مثلث، مربع، مخمس، مسدس، ترکیب بند، ترجیع بند وغیرہ میں لکھی جاسکتی ہے۔

کلاسیکی تنقید میں ''نظم'' سے جملہ شاعری مراد لی گئی ہے، لہٰذا بلاغت کی کتابوں میں یہ لفظ ان ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن یہاں ہماری مراد نظم سے وہ مخصوص صنف سخن ہے جسے بالعموم ہم غزل کے مقابلے پر رکھتے ہیں۔ (اصناف سخن اور شعری ہیئتیں، ص ۱۰۰)

شاعری کا شوق قدرت کا ایک عطیہ ہے جو کسی کسی کو مرحمت ہوتا ہے۔ فنی و فکری معیار و میزان کو سامنے رکھ کر شبنم صاحب کی نظم نگاری کو دیکھا جائے تو یہ بات اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ وہ اپنی جگہ سلاست زبان، مترنم الفاظ، بلند خیالی اور برجستگی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ ان کی نظمیں اپنے اندر خاص انفرادیت، تنوع پسندی اور شعور کی پختگی کی علامت لیے ہوئے ہیں۔ ان کی نظموں کو وطنی رومانی اور ملی جیسے حصوں میں تقسیم کر کے مطالعہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

وطنی نظمیں

شبنم صاحب وطن اس کے سچے عاشق اور وطن پر جان قربان کرنے والے تھے، انھوں نے ملک کی آزادی اور پھر اس کے بعد ہونے والے واقعات و حادثات کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور اہل وطن نے جنگ آزادی میں کس طرح سے بلاتفریق مذہب و ملت قربانیاں پیش کر کے غلامی کے شکنجے سے ملک کو آزاد کرایا تھا، یہ پوری تاریخ ان کے

سامنے تھی اور انہوں نے ان تمام باتوں کو اپنی نظم میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

وطنی نظموں میں ''ساتھی سے خطاب''، ''نغمۂ آزادی''، ''نغمۂ جمہور''، ''انتظار''، ''انتظار بہار'' اور ''عمل کی سرزمین'' شامل ہیں۔ ہر ایک نظم میں وطن دوستی کے جذبات وطن کے ساتھ الفت، اُنسیت، محبت اور مساوات کا عکس نظر آتا ہے۔

نظم ''ساتھی سے خطاب'' میں شبنم صاحب اپنے ایک ساتھی سے ملک کی آزادی کے وقت کے حالات کو جو اپنی شعور و پختگی کی آنکھوں سے دیکھا تھا اور آزادی کے بعد جو فرقہ وارانہ فسادات مختلف علاقوں اور صوبوں میں ہوئے تھے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے، کو نظم کی صورت میں پیش کر کے باخبر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ؎

زمانے کی رنگینیوں سے نکل کر ذرا دیکھ رنگ وطن آج ساتھی
خزاں کا بہاروں پہ ہے آج قبضہ، ہیں اُجڑے ہوئے کل چمن آج ساتھی
کسی کو زمانے کی حاصل ہے دولت، کسی کے لیے ہے نوید مسرت
کوئی بستر مرگ پہ مر رہا ہے، میسر نہیں ہے کفن آج ساتھی
وطن بن چکا ہے لٹیروں کا مسکن، سبھی جل چکے ہیں امیدوں کے خرمن
قسم ہے تمھیں اب مرے ساتھ آؤ، بدل دیں گے دور زمن آج ساتھی

شبنم صاحب کی نظم ''نغمۂ آزادی'' بھی ایک حسین نظم ہے۔ ملک پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ ہر ایک غلامی کی زنجیر سے آزادی چاہتے تھے اور جب اس کے لیے ملک کے قائد و رہنما آگے بڑھے تو تمام لوگ چاہے جس قوم و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں قدم سے قدم ملا کر آزادی کے پرچم تلے آگئے اور جان نچھاور کرنے کے لیے بے قرار ہو گئے۔ حاکمانِ وقت نے حالات کو دیکھتے ہوئے ملک کو آزاد کرنے ہی میں عافیت سمجھی۔ حتی کہ ملک آزاد ہو گیا اور ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ تمام لوگوں کے چہرے کھل گئے۔ نغموں اور گیتوں کی بارش کرنے لگے۔ شبنم صاحب بھی تو اسی ملک کے ایک باوفا فرد تھے، ان کا بھی دل جذبۂ

حب وطن سے سرشار تھا وہ اس وقت کو ہاتھ سے کیسے جانے دیتے۔

ہے خوشی ہم کو کہ اب آزاد ہے اپنا وطن

اے وطن کی سرزمیں اے باعثِ رشکِ زمن
نغمہ زن ہیں تیری آزادی پہ مرغانِ چمن
مٹ گیا جمہوریت کے قلب سے داغِ محن
جھومتے ہیں وجد کی حالت میں اب کوہ و دمن
مطلع امید سے پھوٹی ہے مہتابی کرن
ہے خوشی ہم کو کہ اب آزاد ہے اپنا وطن

سرزمینِ ہند کو ہم چھوڑ کر جائیں گے کیوں
خوابِ شیریں سے دل ناداں کو بہلائیں گے کیوں
رو سیاہی مادر گیتی کو دکھلائیں گے کیوں
اس طرح ہم دربدر کی ٹھوکریں کھائیں گے کیوں
آ نہ جائے مادرِ گیتی کے ماتھے پر شکن
ہے خوشی ہم کو کہ اب آزاد ہے اپنا وطن

ایک دوسری نظم میں شبنم صاحب نے وطن کی آزادی میں خون بہانے والوں کو مبارک باد بھی پیش کی لیکن آزادی کے چند سالوں کے بعد ہی جب ہر طرف فرقہ وارانہ فسادات ہونے لگے خاص کر مسلم علاقوں میں ظلم و جبر کی زیادتیاں ہونے لگیں۔ ان کو ملک کا غدار اور بے وفا کہا جانے لگا تو شبنم صاحب بہت زیادہ رنجیدہ و افسردہ رہنے لگے۔ دل کی بے چینی و بے قراری متواتر رہنے لگی تو اس کے لیے ایک نظم ''نغمۂ جمہور'' کے نام سے کہی۔

وطن کے ذرّہ کو ہم رشک زر سمجھتے ہیں　　قسم خدا کی اسے اپنا گھر سمجھتے ہیں
مگر وہ چین سے ہمیں جینے نہیں دیتے　　جو قہر و ظلم کی شیر و شکر سمجھتے ہیں

وطن سے کوئی شکایت نہیں ہمیں شبنم　　خدا کا شکر کہ آزاد آج کل ہیں ہم
ہمیں تو اہل وطن سے ہے بس گلہ ورنہ　　وطن کے آگے جبینِ وفا ہے ہر دم خم

اس نظم میں آگے چل کر شبنم صاحب نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ آزادی کا مطلب مفلسوں کے لیے کیا ہوتا ہے؟ آزادی کے لیے کیا امیر کیا غریب ہر ایک نے قدم سے قدم ملا کر وطن کو آزاد کرایا لیکن غریب کے حصے میں صرف غم و مایوسی ہی آئی۔ باقی ساری چیزیں امیروں کے لیے ہیں۔ اس سماجی بدحالی، بدنظمی اور معاشی مصائب و مشکلات کو بھی اس نظم میں بخوبی دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

''انتظار'' اور ''انتظارِ بہار'' دونوں نظمیں شبنم صاحب نے ملک کی حالت زار پر لکھی ہیں۔ ملک میں پیدا ہونے والے انتشار و خلفشار، قتل و غارت گری، افراط و تفریط کے علاوہ فسادات، حادثات و واقعات سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والی بے چینی، بے اطمینانی، بے قراری اور بے توقعاتی ان نظموں کا موضوع ہے۔ ان سے کیسے خلاصی و چھٹکارا حاصل ہو، یہ رنج و غم کس طرح سے کم ہوں اور پھر لوگوں کو چین و سکون کی سانس لینے کے مواقع میسر آئیں، انھی باتوں کو سامنے رکھ کر شبنم صاحب نے اپنے خاص انداز میں کہا ہے۔

اے مرے پیارے وطن تجھ پر ہے جان و دل نثار
تجھ کو حاصل ہو ہمیشہ دہر میں عالی وقار
ہے ترے جلووں سے حاصل قلب مضطر کو قرار
تیری آغوش محبت میں ہے رقصاں سو بہار
تیرے قدموں پر تصدق ہے متاعِ کائنات
تیری ہر ہر سانس میں پنہاں ہے فردوسِ حیات
اے وطن میں تیری آزادی کی کھاتا ہوں قسم
حشر تک رکھوں گا اونچا تیری عظمت کا علم

بس رہے ہیں گود میں تیری جو اربابِ ستم
ان کو درس زندگی دوں گا بہ اندازِ کرم
خیر و شر میں جب انھیں ہو جائے گی کامل تمیز
تیری آزادی انھیں ہوگی دو عالم سے عزیز

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شبنم صاحب کو وطن سے بہت عشق تھا۔ کیوں کہ انہوں نے دس سے زائد ایسی نظمیں، جن میں بچوں کی نظمیں بھی شامل ہیں، لکھی ہیں جن میں براہِ راست وطن سے محبت، اس کے لیے جان و مال کی قربانی کا ان کا فنکارانہ ذکر ہے۔ انھی میں کی ایک نظم ''عمل کی سرزمین'' بھی ہے، جس میں وطن سے محبت کے ساتھ اسلامی رنگ بھی دکھائی پڑتا ہے۔ دیکھئے کس قدر سلیس و سادہ زبان میں شبنم صاحب نے اپنی بات پیش کی ہے۔

یہ سرزمیں ہے عشق کی، عمل کا ہے مقام یہ
وفا کا درس دیتی ہے بشر کو صبح و شام یہ
فضا کی گود میں لیے بقا کا ہے پیام یہ
لیے ہوئے ہے زہر غم مئے خوشی کا جام یہ
اسی زمیں میں جلوہ گر خرد کا آفتاب ہے
یہ علم و عقل و نور کی کھلی ہوئی کتاب ہے
حدیث فخر انبیا کو اپنا پیشوا بنا　　تجلئ جمالِ حق کو اپنا رہ نما بنا
سفینۂ حیات کا اسی کو ناخدا بنا　　ہجوم ذوق و شوق کا اسی کو مدعا بنا
جھکائے گا قدم قدم پہ خاور فلک جبیں
بنے گی رشک دو جہاں ترے عمل کی سرزمیں

رومانی نظمیں

شبنم صاحب کی رومانی نظموں میں ''تازیانہ''، ''ایک خط محبوبہ کے نام'' اور ''آرزوئے وصال'' بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ آپ کی جو سب سے پہلی نظم ہے وہ ''تازیانہ''

ہی ہے جو کلکتہ سے شائع ماہنامہ ''معاون'' میں ۵۴-۱۹۵۳ء کے درمیان شائع ہوئی تھی۔ اس نظم کا پس منظر یہ ہے کہ ایک دوشیزہ لڑکی ہے جو کہ پیشے سے مزدور ہے۔ وہ اپنے گھر کے اخراجات کے لیے مزدوری کرتی ہے یعنی ٹوکری میں آم رکھ کر بیچتی ہے یہاں منظر نگاری اور صورتحال کی عکاسی میں شبنم صاحب نے اپنے جوش قلم اور جوش جذبہ دونوں کا خوب خوب مظاہرہ کیا ہے۔ اس کے بعد اس لڑکی کے حسن و زیبائش، شباب و مستانہ روی اور صورت و سیرت کے علاوہ اس کی مجبوری، پریشانی اور افلاس و غربت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اس نظم کی زبان بہت ہی سادہ، شگفتہ اور دلکش ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ایک دوشیزہ سڑک پہ ہے رواں مستانہ وار
دوش پہ پھیلی ہوئی زلفیں ہیں اس کی سایہ دار
لب پہ ہیں نغماتِ شیریں اور آنکھوں میں خمار
اُڑ رہا ہے اس کے ماتھے سے دوپٹہ بار بار
اس کے ہر ہر گام پر بجتے ہیں پایل اس طرح
اک شرابی جیسے مستی میں بجاتا ہو ستار
ہے سراپا ایک جادو یا مجسم اک شراب
یا ہے اک برقِ پریشاں یا ہے خنجر آبدار
ٹوکری ہے اک بغل میں اور اس میں چند آم
جا رہی ہے پاس کے گاؤں سے سوئے کوہسار
بیچ کر حاصل کرے گی دام اور نقدِ جگر
ایک کنبہ کا اسی پیسہ پہ ہے دار و مدار
سرزمین ہند کی مجبور ہستی کی قسم
چاند، سورج اور شبنم بھی ہے خود اس پہ نثار

جس زمانہ میں شبنم صاحب یہ نظم لکھ رہے تھے وہ ترقی پسندی کا دور تھا۔ ہر طرف جدیدیت کی بحث چھڑی ہوئی تھی، جن میں فیضؔ، مخدومؔ، مجازؔ اور جوشؔ وغیرہ بھی اسی طرح کی شاعری کر رہے تھے۔ چونکہ فیضؔ نے ایک نظم ''مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ'' کہہ کر جدیدیت کے جھگڑے کو کافی حد تک سلجھانے کی کوشش کی تھی اور جدید اردو شاعری کا موضوع بھی تقریباً مقرر کر دیا تھا۔ ظاہر ہے اس دور کا یہی مزاج تھا تو اس سے شبنم صاحب کیسے متاثر نہ ہوتے اور اپنی شاعری کو جدیدیت کے قالب میں نہ ڈھالتے۔ اس لیے اسی رنگ و روپ میں شاعری شروع کر دی اور ''ایک خط محبوبہ کے نام'' اور ''آرزوئے وصال'' جیسی نظمیں کہہ ڈالیں، جس پر فیضؔ کا اثر بھی دکھائی پڑتا ہے۔ اب ''ایک خط محبوبہ کے نام'' کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے ؎

میری محبوبہ ، مری گلشن ہستی کی بہار
رونق بزم طرب ، روح وفا ، جانِ قرار
تیری آنکھوں سے جو پی لی تھی چرا کر میں نے
آج تک ہے مری رگ رگ میں اسی مئے کا خمار

کاش تو نے میرا دل چیر کر دیکھا ہوتا
کیا ہے اندازِ محبت اُسے سمجھا ہوتا
میری آنکھوں کی نمی بھی ذرا دیکھی ہوتی
پھر مری ذات سے تجھ کو نہ یہ صدمہ ہوتا

میں نے بھی راتوں میں دیکھے ہیں سنہرے سپنے
آئی ہو پاس مرے نور کا جامہ پہنے
ہوش کھو بیٹھا ہوں جب خواب میں یہ دیکھا ہے
چاند کا حسن، ستاروں کے گلے میں گہنے

ابھی کچھ اور جلانا ہے امیدوں کا چراغ
پا ہی جاؤں گا کسی روز مسرت کا سراغ
صبر کر اے میری محبوبہ تو آنسو نہ بہا
جلد مل جائے گا رنج و غمِ دوراں سے فراغ

اس نظم میں شاعر نے پھر ایک مزدور لڑکے کی کہانی کو موضوع بنایا ہے۔ ایک لڑکا جس کے پاس زمانہ کے اعتبار سے عیش و خوشی کی بیشتر چیزیں دستیاب نہیں ہیں اور وہ اپنے گھر سے دور گھر کے اخراجات کے لیے مزدوری کر رہا ہے لیکن اسے عشق بھی ہے کسی لڑکی سے تو وہیں سے اپنی محبوبہ کو اپنی بے بسی اور پریشانیوں سے باخبر کرتا ہے، صبر کی تلقین کرتا ہے اور اس وقت کے انتظار کی دعوت بھی دیتا ہے، جس میں دونوں خوشی اور پُر سکون زندگی گزاریں گے۔

دوسری نظم ''آرزوئے وصال'' ہے، جس میں طویل بحر کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں شبنم صاحب نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ عاشق سے اس کی معشوقہ جدائی چاہتی ہے کیوں کہ وہ اس سے ناراض ہے، لیکن وہ اسے سمجھاتا ہے کہ تم اپنا ارادہ بدل دو دیکھئے شبنم صاحب ان خیالات کا اظہار اپنی زبان میں کیسے کرتے ہیں ۔

دور ہو کر نگاہوں سے میری کہو وہ جگہ کون سی ہے؟ جہاں جاؤ گے
ہے رسائی تصور کی میرے جہاں خواب میں بھی نہ شاید پہنچ پاؤ گے
بات میری خدا کے لیے تم سنو! فیصلے خود بخود سوچ کر پھر کرو
بزم فکر و تخیل کی زینت ہو تم، کیا تخیل سے بھی میرے کتراؤ گے
کر چکا خون دل سے میں اپنے وضو، جان و دل فرش ہے اور تم روبرو
سجدۂ عاشقی کر رہا ہوں ادا اب تو باتوں پہ ایماں مری لاؤ گے
جب مٹا دو گے قدموں سے میرا اثر، پھونک دو گے جو گھر میرا اے بے خبر
خانۂ چشم میں اپنے شبنم کو پھر رقص کرتا ہوا ہر گھڑی پاؤ گے

ملّی نظمیں

شبنم صاحب کی نظم نگاری کی آخری اور تیسری قسم ملّی اور انقلابی ملی نظمیں ہے۔ان میں ''صدائے حق''، ''زخمی مسلمان نوجوانوں سے''، ''پیغام عمل''، ''پیغامِ حیات'' اور ''درس کامل'' وغیرہ بہت جامع اور اہم نظمیں ہیں۔ یہ اور ان جیسی دوسری نظمیں شبنم صاحب کی آخری دور کی یادگار ہیں جن میں زیادہ تر اشعار ایسے ہیں جو مسلمانوں کی زندگی، ان کے اعمال وافعال، کردار وگفتار اور روز مرّہ کے واقعات وحادثات سے متعلق ہیں۔ایک بار حکومت ہند قانونِ شریعت میں ترمیم واضافے کا منصوبہ بنارہی تھی۔ایسے موقعے پر شبنم صاحب کب رُکنے والے تھے چنانچہ انھوں نے ''صدائے حق'' کے نام سے ایک نظم لکھی، جس کے چند اشعار ملاحظہ کریں ۔

پھر اپنی حقیقت کو قرآن میں پہچانو!
ہو جاؤ گے تم ورنہ برباد مسلمانو!
قانونِ شریعت پر پابند نہیں ہو تم
پھر اس کی حفاظت کے انداز ہی کیا جانو
مذہب پہ تمھارے اب یلغار ہے غیروں کا
ہے وقت کہ آ جاؤ اب ہوش میں دیوانو
فرمانِ الٰہی میں ترمیم ہے نا ممکن
باز آؤ شرارت سے ، بزدل نہ ہمیں جانو
اسلام کی عظمت پر مٹ جائے گا ہر مومن
دعویٰ پہ شہادت دو اے جنگ کے میدانو
ہے شعلۂ جوّالہ دشمن کے لیے مومن
آغوش میں پھولوں کے شبنم ہی نہ تم جانو

ان کی ایک اور نظم ''زخمی مسلمان نوجوانوں سے'' ہے۔اس نظم کا تعلق بھی مسلم پرسنل لا کے

تحفظ کی تحریک ہی سے ہے۔ پٹنہ میں ۱۹۸۵ء میں حکومت کے فیصلہ کے خلاف ایک زبردست جلوس نکالا گیا تھا، جس میں زیادہ تر طلبہ تھے، جن کے دلوں میں اسلام کی عظمت ووقار کا جذبہ موجزن تھا۔ ان میں سے کئی طلبہ نے اپنی جانوں کی بازی تک لگادی اور شہید ہوگئے۔ اس نظم کے چند اشعار آپ بھی ملاحظہ فرمائیں ؎

تمھارے خون سے سرسبز ملت کا شجر ہوگا
ملا جو زخم تم کو رشک خورشید و قمر ہوگا
بنے گا جذبۂ الفت ہر اک مومن کا مستحکم
تمھارا نالۂ زخمی نہ ہرگز بے اثر ہوگا
شریعت کا تحفظ فرض اوّل ہے مسلماں پر
جو اس پر جان دے دے وہ شہید معتبر ہوگا
ہوا روشن تمھارا نام تاریخ حفاظت میں
تمھاری یاد میں ٹپکے گا جو آنسو گہر ہوگا
شب تاریک سے پھوٹی ہے وحدت کی کرن شبنم
مجاہد نوجواں سب کے لیے نورِ سحر ہوگا

اسی کے تحت ''پیغام حیات'' اور ''پیغام عمل'' بھی کافی وقیع اور قوم وملت کا کافی درد لیے ہوئے ہے۔ ان دونوں نظموں میں شبنم صاحب نے عمل صالح صدق دلی اور اسلامی جذبے سے مزین ہوکر مسلمان نوجوانوں کو میدان کارزار میں آنے کی تلقین کی ہے ؎

اٹھو چراغ حیات بن کر، بڑھو عمل کی کتاب لے کر
قدم کو چومے گی سربلندی متاعِ حسن وشباب لے کر
جمود توڑو، سکوت چھوڑو، عروسِ راحت سے منہ کو موڑو
چلو شہادت کی راہ پر تم دلوں میں عزم ثواب لے کر
دلوں کا ہر ساز متحد ہو، تمھاری آواز متحد ہو
ٹھہر سکے گا نہ قصر باطل تمھاری چشم عتاب لے کر

پیام اشکوں کا جو دیا ہے یہ صورتِ نظم تو نے شبنم
بڑھے گا ہر فرد تیری امت کا جذبۂ بوتراب لے کر

(پیغامِ حیات)

قوم و ملت کے جوانو! نونہالانِ عمل
آگیا ہے وقت تم میدان میں آؤ نکل
مذہب اسلام جو لاریب ہے اک دین حق
یورشیں غیروں کی اس پہ بڑھ گئی ہیں آج کل
ہٹ گئے ہیں راہِ سے اسلاف کے ہم اس قدر
ہو گئی آنکھوں سے اوجھل عظمت علم و عمل
انتم الاعلون کی ہے شرط کنتم مومنین
سب کے سب عامل ہوں اس پر، جائے گی حالت بدل
ہر جواں ملت کا بن جائے شہاب دین حق
راکھ ہو جائے گا ہر گندی سیاست کا محل
ہے یہی روح محبت ، ہے یہی روحِ جہاد
میرا نعرہ اتحاد و اتحاد و اتحاد

(پیغامِ عمل)

اس قبیل کی آخری نظم ''درس کامل'' ہے جس میں شبنم صاحب نے قوم کی گمراہی اور انتشار و اختلاف کی بات کی ہے، قوم کی پریشانیوں اور مشکلات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اس پرفتن حالات میں اگر کوئی رہبر و قائد مل جائے تو کامیابی ضرور قدم چومے گی۔ اس حوالے سے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

فضا خموش تھی، ہر سمت ہو کا عالم تھا　　شب دراز کا شاید مزاج برہم تھا
اُداس چاند تھا، تارے بھی سوگوار سے تھے　　ہر ایک پھول گلستاں کا محو ماتم تھا

کہا یہ اس نے سنا ہوگا آج بشر
زمیں کو چھوڑ کے کرنے لگا فلک کا سفر
عروج یہ ہے کہ ہے چاند پہ قدم اس کا
زوال یہ کہ زمیں کی نہیں ہے اس کو خبر

دیا تھا درس جو اس نے وہ درس کامل ہے
خدا کا بندہ وہی ہے جو اس پہ عامل ہے
مقام اہل نظر کا کہاں ہے کیا کہنا
زمین ہو کہ فلک سب اسی کی منزل ہے

بشر کی عقل پہ ہے ظلمت حجاب نہ بھول
اگر ہے صاحب ایماں رہ صواب نہ بھول
یہ ظلمتوں کے پجاری سے کہہ دے بات کوئی
زمیں کی گود میں ہیں لاکھوں آفتاب نہ بھول

بچوں کے لیے نظمیں

اردو زبان میں بچوں کے ادب کی جھلکیاں اور اشارے ہمیں غالب کے ''قادر نامے'' اور نظیر اکبرآبادی کی شاعری میں دکھائی پڑتے ہیں۔ مگر اس صنف ادب کا آغاز ۱۸۵۷ء کے بعد سرسید احمد خاں کی اصلاحی وملّی تحریک کے زیر سایہ ہوا۔ دیگر رفقائے سرسید نے بچوں کے اخلاق و عادات، کردار و گفتار اور ذہنی وفکری نشو نما سے متعلق کہانیاں، قصے، داستانیں اور دلچسپ نظمیں تخلیق کر کے بچوں کے ادب کی داغ بیل ڈالی۔ اس ادب کو پروان چڑھانے، ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں اور اسے ایک صنف ادب کا درجہ دینے میں سب سے اہم کام مولانا اسماعیل میرٹھی نے انجام دیا۔ اس کے بعد مولانا محمد حسین آزاد کی ''نظم اردو'' نے بھی کافی حد تک اس ادب کو فروغ دینے میں اپنا رول ادا کیا۔ یہی دونوں ہستیاں بچوں کے ادب کے پیش رو کہلانے کا حق رکھتی ہیں۔ یہ آغاز ایسا عظیم ومبارک ثابت ہوا کہ ان حضرات کے بعد علامہ اقبال، سرور جہان آبادی، تلوک چند محروم، چکبست اور اختر شیرانی نے ادبی حسن سے آراستہ نظمیں تخلیق کر کے بچوں کے ادب کو نہ صرف فروغ دیا بلکہ اسے مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم کیا۔ اس کے علاوہ اردو کے نامور ادیب وشاعر کبھی کم اور کبھی زیادہ لیکن متواتر بچوں کے ادب کی آبیاری اپنے خون جگر سے کرتے رہے۔ یہ انھی ادیبوں اور شاعروں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ بچوں کے ادب کے سرمایے میں گراں قدر

وافر مقدار کا اضافہ ہوا۔

جن لوگوں نے بچوں کے ادب و شاعری کے لیے وقت صرف کیا اور انھی کے مزاج و ذہن کے مطابق شاعری کی، ان میں سے ایک شبنم کمالی بھی ہیں۔ انھوں نے بچوں کی ضرورتوں کا خاص خیال رکھا ہے اور اپنی شعری استعداد و صلاحیت کو فطری طریقے سے اس موضوع کے لیے استعمال کیا ہے۔ شبنم صاحب اپنے مجموعہ ''آؤ گیت گائیں'' میں بچوں کی شاعری کے بارے میں ''عرض مصنف'' کے تحت تحریر کرتے ہیں:

> ''۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۵ء تک تقریباً بارہ سال میں نے بچوں کے لیے نظمیں بھی لکھیں اور کہانیاں بھی، جو اندرون ملک بچوں کے مختلف رسالوں میں شائع ہوتی رہیں۔ مطبوعہ کہانیوں کی تعداد پچاس سے زاید ہوگی اور شائع شدہ نظموں کی تعداد سو سے کم نہیں ہوگی۔''

شبنم صاحب شروع ہی سے بچوں کے لیے لکھتے رہے لیکن شاعری کے ساتھ جب عمر میں بھی پختگی آتی گئی اور رجحان و میلان اسلامیات، مذہبیات کی طرف زیادہ سے زیادہ ہونے لگا اور قوم و ملت کا درد و غم اور اصلاح معاشرہ کی باتیں ذہن میں آنے لگیں تو پھر بچوں کی نظموں کو ترک کر دیا اور صرف بڑوں اور بوڑھوں کے لیے شاعری کرنے لگے۔ چنانچہ اس بات کی تصدیق ڈاکٹر قمر ثاقب کی اس تحریر سے ہوتی ہے جو انھوں نے ''باتیں بچوں سے'' کے تحت لکھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''میرے ابا جان نے جن بچوں کے لیے یہ نظمیں لکھی تھیں، وہ جوان ہو گئے اور بال بچے والے بھی۔ چونکہ ابا جان اب بچوں کے لیے نہیں لکھتے اس لیے تم لوگوں تک ان کی نظموں کے پہنچنے کا سوال ہی نہیں۔ البتہ میرے گھر میں تمام نظمیں محفوظ ہیں، جن کو ہم لوگ کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں۔ ان ہی نظموں میں سے کچھ نظمیں کتابی شکل میں اب تمھارے

سامنے موجود ہیں۔''

اس وقت شبنم صاحب کی دو کتابیں ''آؤ گیت گائیں'' اور ''گیت گاتے رہو'' میرے سامنے ہیں ''گیت گاتے رہو'' سے ''ماں کی نصیحت'' ملاحظہ کریں۔اس نظم میں ایک ماں اپنے بچے کو جب اسکول کے لیے روانہ کرتی ہے تو کہتی ہے کہ بیٹا راستہ میں کنارے چلو گے، راستہ میں کھیل کود نہ کرو گے، گاڑی کے پیچھے نہ دوڑو گے، راستہ میں کوئی بڑا ملے تو اس کی عزت کرو گے، راستہ میں کوئی مجبور، بے بس یا اندھا ملے تو اس کی مدد کرو گے۔ پھر کہتی ہیں کہ استاد کی تعظیم کرو گے، کیوں کہ اس کی عزت کے بغیر چاہے جتنی محنت کرلو کامیاب نہ ہو گے۔ ہمیشہ سچ بولنے کی عادت ڈالو، چوری سے بچو، چاہے تمھیں جتنی تکلیف اٹھانی پڑے یہاں تک کہ اگر بھوکے رہنا ہو تو بھی ٹھیک ہے۔ اس کے بعد وہ کہتی ہے کہ پڑھنے لکھنے میں دل لگانا۔ اسی کی وجہ سے انسان کا رتبہ بڑھتا ہے اور آدمی کی قدر ہوتی ہے۔ ان سب باتوں کو شبنم صاحب نے نظم میں کس طرح بیان کیا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کیجیے ؎

گھر سے جاتے ہو باہر تو مری بات سنو
راہ میں دیکھ کے تم اس کے کنارے سے چلو
کھیل رستے میں نہ کرنا نہ کسی سے لڑنا
کوئی گاڑی جو چلے اس کے نہ پیچھے پڑنا
اپنے استاد کی تعظیم سے جو ہے غافل
لاکھ محنت وہ کرے پھر بھی رہے گا جاہل
تم کبھی چیز کسی کی نہیں چوری کرنا
چاہے اس کے لیے تم کو پڑے بھوکا رہنا
پڑھنے لکھنے میں سدا دل کو لگانا اپنے
دیس میں اس طرح رتبہ کو بڑھانا اپنے

اپنی امی کی نصیحت نہ بھلانا پیارے
میری ہر بات کو سینے سے لگانا پیارے

''بچپن کی یاد'' شبنم صاحب کی ایک ایسی بامراد نظم ہے، جس میں وہ اپنے بچپن کو یاد کرتے ہیں اور جن جن چیزوں سے سابقہ پڑا ہر ایک کو حسین پیرایہ میں بیان کیا ہے اور آخر میں تمنا کی ہے کہ کاش! ایک بار پھر سے بچپن کی خوشی مل جاتی ؎

جب کبھی گزرے ہوئے ایام کی آتی ہے یاد
میرے بچپن کی حسیں وادی میں لے جاتی ہے یاد
وہ بھی دن تھے جب غم دنیا سے دل آزاد تھا
ننھے منّے قہقہوں سے گھر مرا آباد تھا
باپ ماں کا پیار تھا بھائی بہن کی شفقتیں
کس طرح ہوتی تھیں مجھ پر رحمتوں کی بارشیں
چاند سورج کو ابھی تک یاد ہے بچپن مرا
کون سی منزل تھی میری کون سا مسکن مرا
یاد ہے مکتب کا مجھ کو آج بھی پہلا سبق
تھا مرے بچپن نے الٹا ہوش مندی کا ورق
آج بھی گزرے دنوں کی جب مجھے آتی ہے یاد
میں تڑپ جاتا ہوں مجھ کو خوب تڑپاتی ہے یاد
کاش پوری ہو سکے شبنم تمنائے دلی
مل سکے اک بار مجھ کو پھر سے بچپن کی خوشی

ایک نظم ''اپنے گاؤں میں'' ہے، جس میں شبنم صاحب نے دل کھول کر گاؤں کے اوصاف، اس کے ماحول، تہذیب وتمدن، صاف شفاف پانی، لہلہاتے کھیت، پاکیزہ ہوا، صبح کو باغوں میں چڑیوں کی مدھر اور میٹھی آواز، اس کے علاوہ گاؤں والوں کا سیدھا پن، ان کی محبت وشفقت کی

اداغرض کہ تمام چیزوں کو جو حقیقت پر مبنی ہیں بیان کیا ہے اور کسی طرح افراط وتفریط سے کام نہیں لیا ہے۔ چند اشاعر انھی کی زبانی سنیے ؎

جب کسی فرصت میں ہم آتے ہیں اپنے گاؤں میں
کیا بتائیں کیا خوشی پاتے ہیں اپنے گاؤں میں
روز گھر سے ہم نکلتے ہیں ٹہلنے کے لیے
ساتھ ہو جاتے ہیں کچھ بچے بھی چلنے کے لیے
کب کمی ہوتی ہے کچھ بھی دل بہلنے کے لیے
پیار کے جب گیت ہم گاتے ہیں اپنے گاؤں میں
کیا بتائیں کیا خوشی پاتے ہیں اپنے گاؤں میں
صاف پانی لہلہاتے کھیت پاکیزہ ہوا
سیدھے سادے لوگ پھر ان کی محبت کی ادا
کب کمی ہوتی ہے کچھ بھی دل بہلنے کے لیے
پیار کے جب گیت ہم گاتے ہیں اپنے گاؤں میں
کیا بتائیں کیا خوشی پاتے ہیں اپنے گاؤں میں
اس کی مٹی سے بنے اس کی ہواؤں میں بڑھے
پھول کی صورت اسی کی گود میں ہم بھی کھلے
آج بھی قائم ہیں اس کی شفقتوں کے سلسلے
ہم کہیں ہوں دل مگر پاتے ہیں اپنے گاؤں میں
کیا بتائیں کیا خوشی پاتے ہیں اپنے گاؤں میں

ان نظموں کے علاوہ ''اندھے بچے کی صدا''، ''سحر ہوگئی''، ''ایک خط دوست کے نام''، ''وقت پر کام کرو''، ''باغ ہمارا''، ''پیارا وطن''، ''ہم آزاد وطن کے بچے''، ''یہ قومی گیت'' اور ''دیس کی دھرتی'' وغیرہ بہت اہم اور بچوں کے لیے بہت کارآمد نظمیں ہیں۔ اگر بچے خود یا

اپنے اساتذہ یا والدین کی نگرانی میں بنظر غایر مطالعہ کریں تو بچوں کو صحیح راہ کی طرف اشارے ملیں گے اور بہت سی ایسی نازیبا حرکتیں جوان کے اعمال میں داخل ہوگئی ہیں، کافور ہوجائیں گی۔

بچوں کے لیے دوسری کتاب ''آؤ گیت گائیں'' ہے۔اس میں ایک نظم ''معصومہ'' ہے۔اس میں شروع ہی سے قصہ گوئی کی کوشش ملتی ہے۔ایک لڑکی ہے معصومہ۔ وہ معصوم صفت بھی ہے اور سلیقہ مند بھی۔اس لڑکی کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔اس کے ادب و اخلاق کا ذکر کرتے ہیں۔اس کے بعد شبنم صاحب یہ بتاتے ہیں کہ وہ اسکول سے واپس آنے پر مسلسل کھیل کود کے بجائے پڑھائی لکھائی میں مصروف رہتی ہے۔ کتابوں ہی سے اس کا رشتہ ناطہ ہے۔اسی لیے گھر کے سارے لوگ اسے ''روشنی'' تصور کرتے ہیں اور اسے خوش وخرم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ؎

چاند کے دیس سے شاید یہ یہاں آئی ہے
ننھی بچی ہے مگر اس کا ادب تو دیکھو
اس طرح بیٹھی ہے جیسے اسے نیند آئی ہے
اس کے ہر کام سے ہوتا ہے سلیقہ ظاہر
عمر چھوٹی ہے مگر عقل بڑی پائی ہے
پڑھتی رہتی ہے ہمیشہ وہ کتابیں گھر میں
لوٹ کر جب بھی وہ مکتب سے کبھی آئی ہے
روشنی اس کو سمجھتے ہیں اندھیرے گھر کی
اس کو خوش رکھنے کی لوگوں نے قسم کھائی ہے
کیوں نہ معصومہ سے الفت ہو مجھے بھی آخر
بے کہے چائے مرے واسطے جب لائی ہے

شبنم صاحب کی ایک اور نظم کا عنوان ہے ''تاج محل بنوائیں گے'' اس کی ابتدا اس طرح ہوتی

ہے کہ بچوں کا ذہن نئے نئے خیالات، افکار، تصورات اور سوالات کی آماجگاہ ہوتا ہے۔ بچوں کو نئی دنیا کی سیر وتفریح اور مختلف مقامات کی مشہور ومعروف زیارت گاہوں کی زیارت کا شوق سب سے زیادہ ہوتا ہے، اسی کے تحت یہ نظم کہی گئی ہے، جب بچے چاند ستاروں کی دنیا میں جانے کی بات سوچتے ہیں اور وہاں پیار کی ایک چھوٹی سی دنیا بسانے کی خواہش کرتے ہیں تو یہ بھی ارادہ کرتے ہیں۔ سونے چاندی کی اینٹ ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ اپنی اس دنیا کی تعمیر وتوسیع کریں گے مگر پھر انہیں خیال آتا ہے کہ اپنا تاج محل بنانے جارہے ہیں تو اس کو سجانے کے لیے پھول کہاں سے لائیں گے کیوں کہ وہاں تو پھول ملے گا نہیں، پھر یکا یک خیال آتا ہے کہ اس دنیا سے پھول پتے لیتے جائیں گے اور اپنے نوتعمیر تاج محل کو سجائیں گے، پانی کے لیے بادل سے نہریں نکالیں گے اور اس طرح چاند کی وہ دنیا نہروں سے بھی آراستہ ہو جائے گی مگر آخر میں ان پر چاند کی دھتری کے مقابلے میں اپنے وطن کی محبت غالب آجاتی ہے۔ اب چند اشعار ملاحظہ کریں ؎

چاند ستاروں کی دنیا میں اک دن ہم بھی جائیں گے
ننھی منی پیار کی دنیا مل کر وہاں بسائیں گے
سونے چاندی کی اینٹوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر لائیں گے
تاج محل بنوائیں گے

چندا ماما کی نگری میں پھول کہاں سے آئے گا
رونق اپنے تاج محل کی آخر کون بڑھائے گا
اپنے دیس سے ہم پھولوں کو چن چن کر لیجائیں گے
تاج محل بنوائیں گے

اپنے دیس کی پیاری چیزوں کا ملنا جب مشکل ہے
دیس میں چاند کے جو جائے سمجھو اس کو جاہل ہے
چھوڑ کے ساری دنیا کو ہم اپنا دیس بسائیں گے
تاج محل بنوائیں گے

اس کتاب میں ایک نظم ''سچا دوست'' ہے۔اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ارشد نام کا ایک لڑکا ہے۔ بچپن ہی میں اس کے باپ کا انتقال ہو جاتا ہے۔ ماں نے اپنی ذمہ داری کو قبول کرتے ہوئے اس کو مکتب جانے کے لائق بنایا اور محنت و مزدوری کر کے اس کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرتی رہی۔ ارشد ایسا سلجھا اور سلیقہ مند لڑکا تھا جو ماں کے ساتھ اپنے استاد کی بھی خدمت کرتا تھا۔ دوستوں سے محبت اور شفقت سے پیش آتا تھا۔ دل کا سچا، زبان کا پکا اور دماغ کا سادہ تھا۔ ایک روز وہ مکتب میں روتا ہوا داخل ہوا۔ بچے اس کے اِردگرد جمع ہو گئے اور رونے کی وجہ دریافت کرنے لگے تو معلوم ہوا کہ اس کی ماں سخت بیمار ہے۔ اگر کہیں وہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں تو زندگی کا آخری سہارا بھی ختم ہو جائے گا۔ ارشد کی مصیبت سننے کے باوجود بھی بچے اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے لیکن اس کا ایک سچا دوست امجد تھا جو اس کے درد کا شریک بن گیا اور اس واقعہ کے بعد بہت غمزدہ ہو گیا۔ جب مدرسہ سے لوٹ کر گھر جاتا ہے تو والدین اس کی پریشانی و خاموشی دیکھ کر بہت گھبراتے اور بے چین ہو جاتے ہیں۔ اس کی ماں اپنے بیٹے سے پیار کرتے ہوئے دریافت کرتی ہے، بیٹا، ماجرا کیا ہے؟ کیوں پریشان ہو؟ ماں بیٹے کی گفتگو کو شبنم صاحب نے کس نرالے انداز میں پیش کیا ہے، ملاحظہ کریں۔ پہلے ارشد کی بات دیکھیں ؎

بچوں نے جب روتا دیکھا　　کیوں روتے ہو اس سے پوچھا
بولا ماں بیمار ہے میری　　خدمت سے لاچار ہے میری
باپ ہوا اللہ کا پیارا　　ماں کا تھا بس ایک سہارا
اس غم میں آنسو بہتے ہیں　　دل کی بات یہی کہتے ہیں

اس کے بعد امجد اور اس کی ماں کی گفتگو ملاحظہ کریں ؎

امجد بولا امی سن لے　　سن لے میری امی سن لے
ارشد میرا پیارا ساتھی　　مفلس اور بے چارا ساتھی
ماں اس کی بیمار پڑی ہے　　اس کے آگے موت کھڑی ہے

سن کے باتیں لخت جگر کی　　امجد کی امی یہ بولی
جاؤ بیٹا امجد جاؤ　　راشد کو تم جلدی لاؤ
اس کی ماں کو بھول نہ جانا　　ساتھ اسے بھی لے کر آنا
ارشد کی امی بھی آئی　　اپنے ساتھ وہ رحمت لائی
امجد و ارشد پڑھنے جاتے　　چار بجے وہ لوٹ کے آتے
کیا جھگڑا اور لڑائی　　آپس میں تھے بھائی بھائی

یہ نظم جس طرح سبق آموز اور نصیحت آمیز ہے اسی طرح دلچسپ اور دلکش بھی ہے۔ اس میں انسانی ہمدردی، محبت، اخوت، الفت، ایثار و قربانی، اپنی دولت دوسروں پر خرچ کرنے اور غریبوں اور بے بسوں کی ہمت افزائی کے نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس قبیل کی ایک دوسری نظم ''چاند'' ہے، جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

آسماں پر چمک رہا ہے چاند　　کتنا پیارا ہے خوش نما ہے چاند
چاندنی اس کی کتنی پیاری ہے　　ساری دنیا پہ وجد طاری ہے
ہے چھپا بادلوں کی جھرمٹ میں　　جیسے دلہن ہو کوئی گھونگٹ میں
لو وہ نکلا چمک بڑھی اس کی　　کھل گئی آہ وہ کلی دل کی
اپنی تصویر جب دکھاتا ہے　　بچہ بچہ بھی مسکراتا ہے
بیل بوٹے کا حسن کیا کہنا　　جیسے پہنے ہوں نور کا گہنا
کاش ایسا کبھی جو ہو پاؤں　　میں بھی چندا کے دیس تک جاؤں

چاند کا گھر اگر ہو میرا گھر
ناز شبنم کروں گا قسمت پر

یہ پوری نظم چاند کی اہمیت، افادیت اور تعریف و توصیف کا بیان معلوم ہوتی ہے۔ لگتا ہے کہ بچوں کو شبنم صاحب ایک ایسی چیز بتا رہے ہیں، جن کے مشاہدے سے واقف ہیں۔ وہ بچوں کے دل میں یہ تمنا اور خواہش پیدا کرتے چلے جاتے ہیں کہ کاش چاند کا گھر میرا گھر ہو جائے۔

اس وقت میں اپنی قسمت پر ناز کروں گا۔

شبنم صاحب بچوں کی نفسیات اور ذہانت سے پوری طرح واقف تھے۔انھوں نے اپنی تمام نظموں میں بچوں کی دلچسپی، دلجوئی اور دلجمعی کا بھرپور خیال رکھا ہے۔الفاظ و بحور اور موضوع کا انتخاب اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کام صرف اور صرف ایک ماہر استاد ہی کر سکتا ہے۔شبنم صاحب نے موسم کے لحاظ سے بھی بچوں کی بول چال میں نظمیں لکھی ہیں۔ان کی ایک نظم ''سردی آئی، آئی سردی'' کے چند بند سماعت فرمائیں ۔

گرمی بھاگی ، آئی سردی　　کانپ رہی ہے ساری دھرتی
دے دو اماں مجھ کو جلدی　　سوٹر، مفلر، موزہ، ٹوپی
سردی آئی، سردی آئی

اونی بستر، اونی چادر　　جیسے ایک برفیلا پتھر
کانپ رہا ہوں تھرتھر، تھرتھر　　کیسے نکلوں گھر سے باہر
سردی آئی سردی آئی

سردی آئی ، سن سن سن سن　　نیچی کردو گھر کی چلمن
تیز ہوئی اب دل کی دھڑکن　　کردو جلد انگیٹھی روشن
سردی آئی سردی آئی

اس نظم میں شاعر نے بچوں کی ان تمام چیزوں کو خوشنما الفاظ کے ذریعہ شعری پیرایہ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔اسی پر ان کا قلم نہیں رُک گیا بلکہ انھوں نے بچوں کو رشتوں کی قدر کا سلیقہ بھی بتایا اور اہم شخصیات سے محبت اور علم کی اہمیت وافادیت پر بھی روشنی ڈالی۔وہ اپنی نظم ''ارادے'' میں کہتے ہیں ۔

ہر گھر میں محبت کی اک شمع جلائیں گے
نفرت کو ، عداوت کو دنیا سے مٹائیں گے

ماں باپ کو دیکھیں گے عزت کی نگاہوں سے
ہم ان کے اشاروں پر سر اپنا جھکائیں گے
جب علم و عمل سے ہی عزت ہے، ترقی ہے
ہم خود بھی پڑھیں گے اور دنیا کو پڑھائیں گے
اب باز نہ آئیں گے محنت سے مشقت سے
مشکل جو سبق ہوگا ، آسان بنائیں گے

حمد ونعت ،نظم وغزل اور بچوں کی شاعری کے علاوہ شبنم صاحب نے قطعات، رباعیات، منقبتیں اور درود وسلام وغیرہ پر بھی اپنے قلم کی طاقت صَرف کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔ان کا ایک خاص کمال یہ تھا کہ جب تک کسی چیز سے متعلق شرح صدر نہیں ہوجاتا اس پر طبع آزمائی نہیں کرتے اور جب دل کو یقین ہوجاتا کہ میں اس پر کام کرسکتا ہوں تو پھر پوری دلجمعی، خوش دلی اور خوش مزاجی سے اس موضوع کو صفحۂ قرطاس پر لانے میں جٹ جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کے مختلف گوشوں کو پڑھ جایئے تو محسوس ہی نہیں ہوگا کہ آپ کا خاص موضوع کیا تھا۔آپ کس صنف سخن کے شہسوار تھے اور آپ کس میدان میں زیادہ تر رہنا پسند فرماتے تھے۔ کیوں کہ حمدیہ شاعری ہو،نعتیہ شاعری ہو،غزلیہ شاعری ہونظمیہ شاعری ہو،بچوں کے لیے نظم یا گیت ہو یا پھر قطعات ورباعیات اور منقبت وغیرہ ہوں، ہر ایک میں آپ کی دلچسپی ایک سی نظر آتی ہے اور ہر ایک میں اسی شان بان اور قدرت ومہارت کے ساتھ شاعری کرتے نظر آتے ہیں۔

✿✿✿

کتابیات

۱- آزادی کے بعد اردو زبان و ادب، سید عبدالباری، انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹو اسٹڈیز، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء

۲- آؤ گیت گائیں، شبنم کمالی، پٹنہ، ۱۹۸۵ء

۳- اردو میں ادب اطفال، پروفیسر اکبر رحمانی، ایجوکیشنل اکادمی اسلامپورہ جلگاؤں، ۱۹۹۱ء

۴- اردو شاعری کے روشن چراغ، متین طارق باغپتی، تخلیق کار پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۱ء

۵- اصناف سخن اور شعری ہیئتیں، شمیم احمد، انڈیا بک امپوریم، بھوپال

۶- اقبال اور غزل، ساحل احمد، سفینۂ ادب، لاہور، ۱۹۸۶ء

۷- انوار عقیدت (نعتیہ مجموعہ)، شبنم کمالی، مینار پبلی کیشن، پٹنہ

۸- بیخود موہانی: حیات و شاعری، سید سکندر آغا، لکھنؤ، ۱۹۷۴ء

۹- تدریس شعر و شاعری، غضنفر علی، بشریٰ پبلی کیشن، علی گڑھ، ۲۰۰۴ء

۱۰- تنویر خیال (شعری مجموعہ)، شبنم کمالی، مرتب: فاروق احمد صدیقی

۱۱- جدید اردو شاعری اور خلیل الرحمٰن اعظمی، مظہر احمد، شبانہ پبلی کیشنز، دہلی، ۱۹۸۹ء

۱۲- جدید اردو غزل: ایک مطالعہ، نظیر صدیقی، گلوب پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۴ء

۱۳- شخصیت اور کردار، شبّر امام، نئی دہلی، ۱۹۹۳ء

۱۴- شمع ولایت، مولانا شبنم کمالی، شبنم اکیڈمی، ۱۴۲۲ھ

۱۵- صہبائے عقیدت (نعتیہ کلام)، شبنم کمالی، شبنم اکیڈمی، ۱۹۹۶ء

۱۶- صحرا بھی گلزار لگے، شبنم کمالی، مرتب: احمد جاوید، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۵ء

۱۷- ضیائے عقیدت (نعتیہ مجموعہ)، شبنم کمالی، مینار پبلی کیشن، پٹنہ

۱۸- عبدالحق، مختارالدین احمد، ساہتیہ اکادمی، دہلی، ۱۹۸۴ء

۱۹- فردوس عقیدت (نعتیہ مجموعہ)، شبنم کمالی، مینار پبلی کیشن، پٹنہ

۲۰- فقہ اور امام اعظم، شبنم کمالی، رضا اسلامک مشن، بنارس، ۲۰۰۲ء

۲۱- فن تعلیم اور تربیت، افضل حسین، مرکزی مکتبۂ اسلامی، دہلی، آٹھویں بار، ۱۹۸۷ء

۲۲- فیض کی شاعری: ایک مطالعہ، ڈاکٹر نصرت چودھری، شان پبلشنگ ہاؤس، سری نگر، ۱۹۸۵ء

۲۳- قیام میلادی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں، شبنم کمالی، سیرت کمیٹی، سیتامڑھی، ۱۹۷۴ء

۲۴- کمال الصّرف، شبنم کمالی، مدرسہ اسلامیہ امانیہ لوام، دربھنگہ، اپریل ۱۹۶۹ء

۲۵- کمال النّحو، شبنم کمالی، مدرسہ امانیہ لوام، دربھنگہ، جولائی ۱۹۶۹ء

۲۶- گیت گاتے رہو، شبنم کمالی، شبنم اکیڈمی، دسمبر ۱۹۹۶ء

۲۷- مولانا شبنم کمالی کی نعتیہ شاعری، سید شمیم احمد منعمی، شبنم اکیڈمی، مارچ، ۲۰۰۰ء

۲۸- مینار عقیدت (نعتیہ مجموعہ) شبنم کمالی، مینار پبلی کیشن، پٹنہ

۲۹- نغمات یارسول اللہ، شبنم کمالی، اعجاز بک ڈپو، کلکتہ

۳۰- نوائے دل (غزلوں کا مجموعہ)، شبنم کمالی، شبنم اکیڈمی، دسمبر ۱۹۸۰ء

رسائل

۱- ماہنامہ ''جام نور''، شبنم کمالی نمبر، نومبر ۲۰۰۴ء، دہلی

۲- ماہنامہ ''رفاقت''، شبنم کمالی نمبر، پٹنہ بہار

قطعۂ تاریخ

برسانحۂ انتقال پرملال حضرت علامہ شبنم کمالی پوکھریروی

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق

شاہ ٹولی داناپور، پٹنہ

تجھے پوکھریرا کن لفظوں میں پرسہ دوں — کہ اک سکتہ ہے اپنی فکر عالی کو
وہ مداح نبی ، وہ حمد گوئے رب — پیارا ہوگیا جنت کے والی کو
وہ دانشور خطیب و عالم و شاعر — زباں جس کی سند شیریں مقالی کو
ہوا مقبول اہل دین و دنیا میں — نظر میں رکھ کے حسن اعتدالی کو
پلایا طلبہ کو یوں علم کا جرعہ — صراحی بھر دے جیسے جام خالی کو
وہ احساس جمال اس کا جو یاد آئے — سکوں بخشے پراگندہ خیالی کو
زمانہ یاد رکھے گا بچشم نم — تبسم ریز اس کی خوش خصالی کو
یہ غم وہ غم ہے ،غم کو بھی ہے غم جس پر — سخن کو درد ، صدمہ خوش مقالی کو
کہا دل نے کہ اک تاریخ رحلت لکھ — تو کر جمع اپنی طبع لا ابالی کو

عدد ہاتف نے بسم اللہ کی آیت کا

دیا ''علامۂ شبنم کمالی'' کو ۶۳۹

۶۳۹ ۱۴۲۵ھ

❁❁❁

قطعہ تاریخ رحلت

علامہ شبنم کمالی علیہ الرحمۃ

ڈاکٹر عبدالمنان طرزی، دربھنگہ

پاک صاف اور بے ریا جیتے رہے
ذکر رب عشق نبی تھے مشغلے
لب پر قال اللّٰہ اور قال الرسول
اس کی کھیتی عمر بھر کرتے رہے
روضہ اقدس پہ ان کی حاضری
خوب پائے نعت گوئی کے صلے
آہ اپنی بزم سے وہ بھی گئے ۲۴۷
اک بڑے شاعر وہ شبنم نعت کے ۱۷۵۷/۲۰۰۴ء

❁❁❁

شبنمؔ کمالی

ہمہ جہت شخصیت

''شبنم کمالی ۱۹۵۱ء سے شعر کہتے ہیں۔ شاعری میں ان کا کوئی استاد نہیں۔ شبنم کمالی اپنے نعتیہ کلام کی وجہ سے بے حد معروف ہیں۔ اس سلسلہ کے کئی مجموعے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں ...... صنف نعت کے علاوہ شبنمؔ غزل کے ایک اچھے شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے دو مجموعے ''نوائے دل'' اور ''تنویر خیال'' کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اردو کی کلاسیکی روایات پر ان کی گہری نظر ہے لیکن وہ آج کے حالات سے بے خبر نہیں۔ نتیجے میں ان کے یہاں کلاسیکی رچاؤ بھی ملتا ہے اور کچھ نئے تیور کا طور بھی۔ لیکن ان کی نعتیہ شاعری نے ان کی غزل گوئی اور نظم نگاری کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ نتیجے میں بحیثیت غزل گو یا نظم نگار ان پر نظر کم پڑتی ہے۔ حالانکہ ان کا کلام ہر لحاظ سے درست اور ان کے ذاتی تجربے، عقبی زمین میں ہر طرح سے قابل لحاظ بن گئے ہیں۔ شبنم کمالی کا ایک اختصاص یہ بھی ہے کہ انھوں نے بچوں کے ادب کی طرف بطور خاص توجہ دی۔ اس سلسلے کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں ''آؤ گیت گائیں'' اور ''گیت گاتے رہو''۔ یہ دونوں ہی مجموعے نظموں کے ہیں، جن میں بڑی روانی ہے اور بچوں کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ ان کے علاوہ انھوں نے مذہبیات اور اسلامیات پر بہت کچھ سپرد قلم کیا ہے۔ گویا ادبی لحاظ سے شبنم کمالی کی ہمہ جہت شخصیت ہے''۔

(وہاب اشرفی: تاریخ ادب اردو، جلد سوم (ضمیمہ)

ص ۱۹۴۵-۴۷)